جاسوسی دُنیا
3
ابنِ صفی بی-اے
عورت فروش
کا قاتل
1.00

عورت فروش کا قاتل

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۳

ابنِ صفی

۱۹۵۲

پیش رس

جاسوسی دنیا کی تیسری کہانی "عورت فروش کا قاتل" پیشِ خدمت ہے۔ کہانی بھی آپ کے الفاظ میں "زور دار" ہی ہے مگر محض تفریحی نہیں سبق آموز بھی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بے جوڑ شادیاں کتنی تباہ کُن اور معاشرے پر بُرا اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں۔

لیڈی سیتارام بھی ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کر سکتی تھی۔ بشرطیکہ عمروں کا تفاوت اس کی زندگی کی راہ میں نہ حائل ہو جاتا۔ بشرطیکہ وہ اپنے ہی طبقے میں بیاہی جاتی۔۔۔

اس کہانی میں آپ کو قہقہے بھی ملیں گے اور آنسو بھی!

ابن صفی۔بی اے

یکم مئی ۱۹۵۷ء

خونی ناچ

آج شام ہی سارجنٹ حمید نے کافی ہڑبونگ مچا رکھی تھی، لیکن بات محض اتنی ہی تھی کہ آج اس نے نمائش جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کئی بار اس نے مختلف رنگوں کے سوٹ نکالے اور ان پر قسم قسم کی ٹائیاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انسپکٹر فریدی اس کے بچپنے پر دِل ہی دِل میں مُسکرا رہا تھا۔ لیکن اس نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لیے تیّار ہو گیا جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ قطعی بیکار تھا، ورنہ اس جیسے مشغول آدمی کو کھیل تماشوں کی فرصت کہاں اور ویسے بھی اسے ان چیزوں سے دلچسپی نہ تھی۔ فرصت کے اوقات میں

وہ زیادہ تر اپنے پالتو جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چٹکلوں سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حمید بھی اس کے عجائب خانے کا ایک جانور تھا۔ حیوان ظریف۔

حمید اس کا ماتحت ضرور تھا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا رسمی تکلّف بھی نہیں تھا اور یہی چیز اس کے دوسرے ماتحتوں کو بہت گراں گذرتی تھی۔ اکثر دبی زبان سے اپنی خفگی کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے لیکن فریدی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بہتیروں نے اس بات کی کوشش بھی کی کہ سارجنٹ حمید کا کسی دوسری جگہ تبادلہ کرا دیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ بڑے افسران کو بہرحال کوئی کام فریدی کی مرضی کے خلاف کرنے میں کچھ نہ کچھ تامل ضرور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حمید کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کا نہ ہو سکا ورنہ سارجنٹوں کے تبادلے تو آئے دِن ہوا کرتے تھے۔

انسپکٹر فریدی ایک جوہر شناس آدمی تھا اس نے پہلے ہی دِن حمید کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا تھا اور پھر دو تین معاملات میں اپنے ساتھ چانس دینے پر تو وہ اس کا

گرویدہ ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور پھر ایک دِن وہ آیا کہ حمید انسپکٹر فریدی کے ساتھ رہنے لگا۔

اس وقت وہ اس کی کوٹھی میں بیٹھا اس کے نوکروں پر اسی طرح رعب جما رہا تھا جیسے وہ خود اسی کے نوکر ہوں۔

"آپ کونسا سوٹ پہن رہے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"کوئی سا پہن لیا جائے گا۔۔۔ آخر تمہیں آج کپڑوں کا خبط کیوں پیدا ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں! تم نے ضرور کوئی نئی حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں مان نہیں سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج۔۔۔!" حمید رکتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے کہ نمائش گاہ تو محض بہانہ ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آج آرلکچنو میں خاص

پروگرام ہے۔سچ کہتا ہوں بڑا لُطف رہے گا۔"

"تو یہ کہیے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "آپ ہی تشریف لے جائیے۔ میرے پاس اِن لغویات کے لیے وقت نہیں۔"

"خدا کی قسم مزا آجائے گا۔ آج آپ بھی ناچیے گا، شہناز کے ساتھ۔۔۔اُس کی ایک سہیلی بھی ہو گی۔"

"اچھا۔۔۔!" فریدی طنزیہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ شہناز کیا بلا ہے۔"

"ہی ہی ہی۔۔۔ بات یہ ہے کہ۔۔۔ وہ میری دوست۔۔۔ یعنی کہ بات یہ ہے۔۔۔ہی ہی ہی۔"

"جی ہاں بات یہ ہے کہ آپ نے کوئی نیا عشق فرمایا ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔جی ہاں۔۔۔ آپ تو سمجھتے ہیں، لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس بار سو فیصدی سچّا عشق ہوا ہے۔بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اس کے بغیر۔۔۔!"

"زندہ نہیں رہ سکتا۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر زندہ رہ سکتا ہوں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور اگر اس گھر میں رہ بھی گیا تو دِن رات بھوں بھوں رونے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو گا۔"

حمید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

"آپ چلئے تو۔۔۔ اچھا آپ نہ ناچیے گا۔" اُس نے کہا۔

"خیر چلا جاؤں گا کیونکہ میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں، لیکن براہِ کرم وہاں میرا کسی سے تعارف نہ کرانا۔"

"چلیے منظور۔۔۔" حمید نے مُسکرا کر کہا۔ "اچھا اب جلدی سے اپنا سوٹ نِکلوا لیجئے۔۔۔ پہلے نمائش چلیں گے۔"

"تو کیا تمہیں ناچنا آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ میں فاکس ٹراٹ ناچ سکتا ہوں۔۔۔ والز ناچ سکتا ہوں اور۔"

"بس بس۔۔۔!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔"

فریدی نے ریکارڈوں کے ڈبے میں سے ایک ریکارڈ نکال کر گراموفون پر چڑھا دیا۔ ایک انگریزی طرز کا نغمہ کمرے میں گونجنے لگا۔

"اچھا بتاؤ۔۔۔ کیا بج رہا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر مُسکراتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔ اپنی گھبراہٹ کو مُسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "ماڈرن فاکس۔۔۔ٹراٹ۔۔۔!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"اسی بل بوتے پر ناچنے چلے تھے جناب۔"

"اچھا۔۔۔ تو پھر آپ ہی بتایئے کہ کیا ہے۔" حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"والز۔۔۔!"

"میں مان نہیں سکتا۔"

"اچھا اگر فاکس ٹراٹ ہے تو ناچ کر دکھاؤ۔"

"کس کے ساتھ ناچوں۔"

"میرے ساتھ۔۔۔!"

"آپ ناچنا کیا جانیں۔"

"حضور تشریف تو لائیں۔" فریدی نے بایاں ہاتھ حمید کی کمر میں ڈال دیا اور حمید کا بایاں ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھنے لگا۔

"تو گویا آپ مجھے عورت سمجھ رہے ہیں۔ میں کاندھوں پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔" حمید نے جھینپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"گدھے ہو۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ تمہیں ناچنا سکھا دوں۔"

دونوں لپٹ کر ریکارڈ کے نغمے پر ناچنے لگے۔

فریدی ہدایتیں دے رہا تھا۔

”پیچھے ہٹو۔۔۔ دایاں پاؤں۔۔۔ بایاں پاؤ۔۔۔ پیچھے۔۔۔ پیچھے۔۔۔ آگے آؤ۔۔۔ بایاں۔۔۔ داہنا۔ برخوردار یہ والز ہے۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔ بایاں پاؤں۔۔۔ فاکس ٹراٹ نہیں ہے۔“

ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد دوسرا ریکارڈ لگایا گیا۔ وہ دونوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر میں حمید پسینے میں تر ہو گیا۔

”بس میرے شیر۔۔۔ اتنے ہی میں بول گئے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”خدا کی قسم۔۔۔ آپ کا جواب نہیں۔“ حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”میں تو آپ کو انتہائی خشک آدمی سمجھتا تھا۔۔۔ آپ نے یہ سب کیسے سیکھ لیا۔“

”ایک سراغ رساں کو سب کچھ جاننا چاہیے۔“

”میں آپ کا شُکر گزار ہوں، ورنہ آج سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی۔“ حمید نے کہا۔

”شرمندگی کس بات کی۔ پچھتر فیصدی لوگ عموماً غلط ناچتے ہیں۔ تم تو پھر بھی غنیمت ناچ رہے تھے۔“

”اچھا تو پھر آج آپ کو بھی ناچنا پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”یہ غلط بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسی شرط پر چل سکتا ہوں کہ مجھے ناچنے پر مجبور نہ کرنا۔“

دونوں کافی دیر تک نمائش کے چکر لگاتے رہے۔ حمید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر حسین عورت کو قریب سے گزرتے دیکھ کر فریدی کا ہاتھ دبا دینا ضروری سمجھتا تھا اس وقت فریدی کی جھنجھلاہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔ جب وہ اس کی توجہ کسی دوسری طرف سے ہٹا کر کسی عورت کو دکھلانے کی کوشش کرتا۔

”حمید آخر تم اتنے گدھے کیوں ہو؟“ فریدی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

”اکثر میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”دیکھو میں تمہیں سنجیدگی سے سمجھاتا ہوں کہ اب تم اپنی شادی کر ڈالو۔“

"اگر کوئی شادی شدہ آدمی مجھے اس قسم کی نصیحت کرتا تو میں ضرور مان لیتا۔" حمید نے مُسکرا کر کہا۔

"اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میری ہی طرح عورتوں کے معاملے میں پتھّر ہو جاؤ۔"

"آپ تو خواہ مخواہ بات بڑھا دیتے ہیں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔ "کیا کسی اچھی چیز کی تعریف کرنا بھی جرم ہے۔"

"جرم تو نہیں لیکن ہمارے پیشے کے اعتبار سے یہ رجحان خطرناک ضرور ہے۔"

حمید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت اس قسم کی نصیحتیں سننے کے لیے تیّار نہیں۔

تقریباً ایک گھنٹے تک نمائش کا چکر لگانے کے بعد وہ لوگ آرلکچنو کی طرف روانہ ہو گئے۔ آرلکچنو کا شمار شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔۔۔ یہاں کا سارا کاروبار انگریزی طرز پر چلتا تھا۔ یہاں ناچ بھی ہوتا تھا جس میں شہر کے اُونچے طبقے کے لوگ حصّہ لیا کرتے تھے۔

دونوں نے آرلکچنو پہنچ کر ٹکٹ خریدے اور ہال میں داخل ہو گئے۔ سارا ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا اور موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ پہلا راؤنڈ شروع ہو گیا تھا۔ بے شمار خوش پوش نوجوان جوڑے بغل گیر ہو کر ہال کے چوبی فرش پر تیر رہے تھے۔

حمید اور فریدی پہلا راؤنڈ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حمید کی بے چین نگاہیں اس بھیڑ میں شہناز کو تلاش کر رہی تھیں۔

"ارے یہ شہناز کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔" حمید نے ایک جوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ فریدی اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت لڑکی ریشمی شلوار اور فراک میں ملبوس ایک جامہ زیب نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی، فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں اس کے قریب ہو کر گذرے تو شہناز نے مُسکرا کر حمید کو کچھ اشارہ کیا۔ حمید نے مُنہ پھیر لیا اور فریدی مُسکرانے لگا۔

"آخر ہونا سُدیشی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "برخوردار اگر ان لغویات کا

شوق ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ تمہاری بیوی تو نہیں کہ تم اس پر جھنجھلا رہے ہو اور پھر یہ تو مغربی تہذیب کا ایک اہم جزو ہے کوئی بھی عورت کسی مرد کے ساتھ ناچ سکتی ہے۔“

حمید اپنا نچلا ہونٹ چبا رہا تھا۔

”ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ اگلے راؤنڈ میں تم بھی ناچ لینا۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں میں اب نہیں ناچوں گا!“

”کیوں۔۔۔؟“

”بس یونہی۔۔۔ دل نہیں چاہتا۔ آیئے واپس چلیں۔“حمید نے بے دلی سے کہا۔

”پھر آئے کیوں تھے۔۔۔ عجیب آدمی ہو۔“

”یہاں ٹھہرنے کو دِل نہیں چاہتا۔“

”بھئی میں تو ابھی نہیں جا سکتا۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے

لگا۔

"خیر پھر مجبوری ہے۔۔۔!" حمید آہستہ سے بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "مجھے تمہاری محبوبہ سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو کیا نام ہے اس کا۔۔۔ ہاں۔۔۔ شہناز کے ساتھ ناچ رہا ہے۔"

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیا تم نے اُسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!"

"اس کا نام رام سنگھ ہے اور یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ خود کو کسی ریاست کا شہزادہ مشہور کیے ہوئے ہے لیکن دراصل ایک خطرناک مجرم ہے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

”یہ سب آپ کیسے جانتے ہیں۔“حمید نے پوچھا۔

”عجیب احمقانہ سوال ہے، ارے میں ان حضرات کو نہ جانوں گا، تو پھر کون جانے گا۔ میں عرصہ سے اس کی تاک میں ہوں۔ مجھے شُبہ ہے کہ آج کل یہ لڑکیوں کا بیوپار کر رہا ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ شہناز کون ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔“

”یہ تو مجھے پتہ نہیں کہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ ماڈرن گرلز کالج میں لیکچرار ہے۔“

”تمہاری ملاقات اس سے کس طرح ہوئی۔“

”دو ماہ قبل جب میں دس دِن کی چھٹیاں گذار کر گھر سے واپس آ رہا تھا تو یہ مجھے ٹرین پر ملی تھی، ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں تنہا تھے۔ اس لیے ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کرنے میں دقّت نہ ہوئی۔ اس کے بعد سے اکثر ہم دونوں ایک دوسرے سے یہاں ملتے رہتے ہیں۔“

”کیاوہ یہ جانتی ہے کہ تمہارا تعلق محکمہ سُراغ رسانی سے ہے۔“

”نہیں میرے بہت کم جاننے والے اس سے واقف ہیں۔“

”یہ اچھی عادت ہے۔“

دونوں خاموش ہو گئے۔ شہناز اور رام سنگھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ناچ رہے تھے۔ شہناز ہنس ہنس کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ طرح طرح کے مضحکہ خیز منہ بنا کر سن رہا تھا۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا کچھ لوگ سائیڈ میں بیٹھ کر سستانے لگے اور کچھ بار کی طرف چلے گئے۔ رام سنگھ اور شہناز بھی ایک طرف بیٹھ کر سستا رہے تھے، شہناز بار بار مڑ کر حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے شاید خیال تھا کہ حمید اس کے پاس آئے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ حمید اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تو وہ خود اُٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

”ہیلو حمید صاحب۔۔۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آیئے چل کر بیٹھیں، چلیے

میں آپ کو کنور صاحب سے ملاؤں۔ ان سے ابھی اسی وقت ملاقات ہوئی ہے۔ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"وہ شاید ہم لوگوں سے ملنا پسند نہ کریں۔" فریدی نے کہا۔

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔!" شہناز نے حمید کو مخاطب کر کے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی تعریف۔۔۔!"

"آپ ہیں میرے دوست احمد کمال اور آپ ہیں مس شہناز۔" حمید نے تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" فریدی نے شہناز سے ہاتھ ملاتے ہوئے مُسکرا کر کہا۔

"مجھے بھی۔۔۔!" شہناز نے اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کی۔

اتنے میں دوسرا راؤنڈ شروع ہو گیا۔

"کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔" فریدی نے شہناز سے کہا۔

"اوہ بڑی خوشی سے۔" شہناز نے داہنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ فریدی نے داہنا ہاتھ پکڑ کر بایاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیا اور ہلکے ہلکے ہلکورے لیتا ہوا ناچنے والوں کی بھیڑ میں آگیا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رام سنگھ اب کسی اور لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ فریدی ایک مشاق ناچنے والے کی طرح اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ غالباً وہ شہناز کو بھی آہستہ آہستہ ہدایتیں دیتا جا رہا تھا۔

حمید کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو رہا تھا، وہ کئی بار اُٹھا اور بیٹھا۔۔۔ پھر بار کی طرف چلا گیا۔ ایک بوتل لیمن پی اور رومال سے منہ پونچھتا ہوا واپس آگیا۔ فریدی اور شہناز ناچتے ہوئے اس کے پاس سے گذر رہے تھے، فریدی نے شہناز کی نظریں بچا کر مُسکراتے ہوئے حمید کو آنکھ ماری اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم پر سینکڑوں چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں، اس نے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ

پھیر لیا۔ فریدی نے جھک کر شہناز کے کان میں کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ حمید کا غصّہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قریب ہی میز پر ایک بوڑھی اور بد شکل اینگلو انڈین کے قریب آیا اور اس سے ناچنے کی درخواست کی، پہلے تو وہ یہ سمجھ کر بھنائی کہ شاید حمید اس کا مذاق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدرے سنجیدگی دیکھ کر ہچکچاتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ حمید اس سے بغل گیر ہو کر ناچنے لگا۔ ہال میں بے شمار قہقہے گونجنے لگے۔

فریدی اور شہناز اس بُری طرح ہنس رہے تھے کہ انہیں قدم سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ حمید اتنی سنجیدگی سے ناچ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ البتّہ بڑھیا بُری طرح شرما رہی تھی۔ چند منٹ گذرنے کے بعد دونوں اس طرح گھُل مل کر باتیں کر رہے تھے، جیسے برسوں کے ساتھی ہوں۔ دوسرا راؤنڈ ختم ہو گیا۔

فریدی، حمید، شہناز اور اینگلو انڈین بڑھیا ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔

”کمال صاحب۔۔۔ واقعی آپ نے کمال ہی کر دیا۔“ شہناز بولی۔ ”حمید صاحب

میں آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے رقص سیکھنے میں مدد ملے گی۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔!" حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے، یہ واقعی بڑے باکمال آدمی ہیں۔"

فریدی نے میز کے نیچے حمید کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا۔

"آپ کا نام جاننا مانگتا۔" بوڑھی اینگلو انڈین حمید سے مخاطب ہو کر بولی۔

"ہمارا نام۔۔۔!" حمید مُسکرا کر بولا۔ "ہمارا نام اُلّو کا پٹھّا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" بڑھیا بے تحاشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"اچھا ہد ہد کا پٹھّا سہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ ٹھیک بولو۔"

حمید نے جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

"تم پاگل ہو۔" وہ کھسیانی ہنستی ہنستی ہوئی بولی اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کنور صاحب چلے گئے۔" شہناز نے گردن اونچی کر کے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کنور صاحب کہاں رہتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔۔۔ مجھ سے تو یہیں اسی وقت ملاقات ہوئی تھی، ویسے ہیں دلچسپ آدمی۔"

"صورت سے تو نرا اڈیوٹ جان پڑتا ہے۔" حمید نے مُنہ بنا کر کہا۔

"نہیں واقعی بہت زندہ دل آدمی ہے۔" شہناز بولی۔

شہناز کا دوپٹہ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں ہو گی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ حسین چیز اس کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پتلا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا دل آویز خم اس کی جنسی شدّت پسندی کی غمازی کر رہا

تھا۔ ہنستے وقت گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

حمید اس وقت اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایسی نظریں جن میں شکایت غصّہ اور ناپسندیدگی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

"حمید صاحب آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں۔"

"میں دراصل اس لیے خاموش ہوں۔" حمید نے مُسکرا کر کہا۔ "کہ خاموش رہنے سے کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔"

"آپ انہیں کھانا ہضم کرنے دیجیے۔" فریدی نے شہناز کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "آیئے ایک راؤنڈ اور ہو جائے۔"

تیسرے راؤنڈ کے لیے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

فریدی اور شہناز بھی ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید نے پھر اسی بڑھیا کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا۔

”آپ واقعی بہت اچھا ناچتے ہیں۔“ شہناز نے آہستہ سے کہا۔

”اور آپ۔۔۔ آپ کسی سے کم ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کرتے کیا ہیں؟“

”بہت کچھ کرتا ہوں۔۔۔ اور کچھ بھی نہیں کرتا۔“

”یعنی۔۔۔!“

”مٹر گشت۔“ فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ”یہ کیا۔۔۔؟“

”کیا بات ہے۔“ شہناز نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں سُرخ سُرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

”ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے ریوالور چلّایا ہو۔“ فریدی نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ریوالور۔۔۔ یہاں ریوالور کا کیا کام۔۔۔ میں نے تو نہیں سُنا۔“

”ساز بہت اُونچے سُروں میں بج رہے ہیں۔“

شہناز نے اپنا سارا بوجھ فریدی کے کاندھوں پر ڈال دیا۔ وہ ایک نشے میں ڈوبی ہوئی ناگن کی طرح لہریں لے رہی تھی۔ تیسرا راؤنڈ ختم ہونے میں بھی ابھی کافی دیر تھی لیکن اچانک آرکسٹرا رُک گیا۔ ناچنے والے حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔

ہوٹل کا منیجر اوپر گیلری میں کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”خواتین و حضرات۔۔۔ مجھے افسوس ہے کہ آج کا پروگرام اس سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔“

”کیوں کس لیے۔“ بہت سی غصّیلی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

”یہاں ایک آدمی نے ابھی ابھی خودکُشی کر لی ہے۔“ ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت مختلف قسم کی آوازوں سے ملنے سے ایک عجیب قسم کی بھنبھناہٹ سی

گونجنے لگی۔ لوگ یکایک کر کے جانے لگے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد پورے ہال میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے، اُن میں حمید، فریدی اور شہناز کے علاوہ ہوٹل کے ملازمین بھی شامل تھے۔

"تو تم لوگ کس لیے رُکے ہوئے ہو۔" شہناز نے کہا۔

"بدتمیزی ضرور ہے۔۔۔!" فریدی بولا۔ "لیکن شاید آپ کو تنہا واپس جانا پڑے، مجھے منیجر سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس لیے مُجھے اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" شہناز بولی۔ "بھلا اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے، اچھا پھر کب مل رہے ہیں آپ۔۔۔ یہ رہا میرا کارڈ۔"

فریدی نے اس کا کارڈ لے لیا جس پر پتہ لکھا ہوا تھا۔

شہناز چلی گئی۔

"واہ استاد۔۔۔ آپ نے تو کمال کر دیا۔" حمید شکایتی لہجے میں بولا۔ "اگر اسی طرح

اپناارادہ تبدیل کرناتھاتوکسی اور پر نظر عنایت کی ہوتی۔"

"عشق پر زور نہیں ہے۔یہ وہ آتش غالب۔" فریدی نے گنگنا کر کہا۔

"خدا خیر کرے۔"

"چھوڑو آؤ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

برآمدے میں کافی بھیڑ تھی۔ کمرہ نمبر تین کے دروازے پر دو کانسٹیبل کھڑے ہوئے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

قتل یا خودکُشی

حمید اور فریدی کی نظر جیسے ہی لاش پر پڑی وہ چونک گئے۔ کمرے کا منظر حد درجہ متاثر کُن تھا۔ ایک آرام کرسی پر لاش اس طرح پڑی تھی جیسے مقتول بیٹھے بیٹھے ٹیک لگا کر کچھ دیر کے لیے اونگھ گیا ہو، اس کا داہنا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا اس کی گود میں پڑا تھا۔ بایاں ہاتھ نیچے لٹک کر زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ گردنِ بائیں طرف لڑھک گئی تھی۔ فریدی اور حمید نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

”یہ تو وہی ہے جو شہناز کے ساتھ ناچ رہا تھا۔“ حمید نے آہستہ سے فریدی کے

کان میں کہا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔

کمرے میں دو انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوٹل کے منیجر کا بیان لے رہے تھے۔

وہ تینوں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں فریدی اور حمید کے آنے کی اطلاع نہ ہوئی۔ ہوٹل کا منیجر کہہ رہا تھا۔

"کنور صاحب تقریباً دو ماہ سے اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان کی متعلّق صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ اُن کے احباب انہیں کنور صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور بھلا میں یہ کیوں کر بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے خودکُشی کیوں کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس وقت رقص میں بھی شامل تھا، دوسرے راؤنڈ تک انہیں وہاں دیکھا گیا ہے اور پھر یہ یہاں اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔"

"کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ناچ رہے تھے۔" ایک سب انسپکٹر

نے پوچھا۔

”یہ شاید سوائے میرے اور کوئی نہ بتا سکے۔“ فریدی اچانک بول پڑا۔

سب لوگ بیک وقت پیچھے مُڑ کر دیکھنے لگے۔

دونوں سب انسپکٹر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

”آپ۔۔۔ یہ تو بڑا اچھا ہوا انسپکٹر صاحب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔“ ایک سب انسپکٹر نے فریدی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا، جو شاید حال ہی میں ٹریننگ لے کر آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی سب انسپکٹر نے جو کافی معمّر تھا بُرا سا منہ بنایا لیکن جلد ہی اپنے اوپر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

”آیئے۔۔۔ آیئے۔۔۔ اب ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔“ دوسرا سب انسپکٹر بولا۔

”نہیں صاحب میں تو محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”جب تک کوئی کام سرکاری طور پر مجھے نہ سونپا جائے میں اس میں ہاتھ نہیں لگاتا

اور پھر خود آپ کسی سے کم ہیں۔"

"ارے صاحب۔۔۔ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

"خیر یہ تو آپ کا انکسار ہے، کہیے خود کُشی کی وجہ بھی معلوم ہوئی یا نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس کے متعلّق بھی کچھ معلوم ہوا کہ یہ ہے کون۔"

"کس ریاست کے کنور ہیں۔"

"کس ریاست کے؟" سب انسپکٹروں نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔" ہوٹل کے منیجر نے کہا۔

فریدی مُسکرانے لگا۔

"بڑی عجیب بات ہے کہ جو شخص سوسائٹی میں اس قدر مقبول ہو، اس کے متعلّق

لوگ اتنا بھی نہ جان سکیں۔" فریدی نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے کو سپرنٹنڈنٹ پولیس ظاہر کریں اور یہ بتانے سے احتراز کریں کہ آپ کس شہر میں متعیّن ہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" نوجوان سب انسپکٹر بے اختیار بول اٹھا۔

"خیر ہو گا۔۔۔!" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔ "اس سے کیا بحث ہمیں تو اس کی خودکُشی کی وجہ دریافت کرنی ہے۔"

"ہاں تو غالباً ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ اس عورت سے واقف ہیں جس کے ساتھ یہ ناچ رہا تھا۔"

"میں جانتا ہوں مگر شاید وہ اس واقعہ پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے کیونکہ نہ تو یہ کنور ہے اور نہ یہ کیس خودکُشی کا ہے۔" فریدی نے کہا۔ بوڑھا سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

"تو گویا آپ میرے پچیس سالہ تجربے کو جھٹلا رہے ہیں۔" سب انسپکٹر نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ یہ بات میں اپنے صرف چھ سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اگر آپ کو یقین نہ ہو تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے مرنے والے کی گھنی مونچھیں اکھاڑ لیں۔۔۔ کہیں کہیں ایک آدھ بال چپکے رہ گئے۔

"کہئے داروغہ جی اسے پہنچاتے ہیں آپ۔۔۔؟" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

دونوں سب انسپکٹر حیرت سے منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو آپ نہیں جانتے کیا؟ آپ نے مشہور بدمعاش رام سنگھ کی تصویر نہیں دیکھی جو ابھی حال ہی میں آئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

"اب یہ بتایئے کہ اسے قتل کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا ہے۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔" فریدی لاش پر جھکتے ہوئے بولا۔ "ایک تو یہی کہ اگر اس نے خودکُشی کی ہوتی تو اس کی لاش اتنے سلیقے سے آرام کرسی پر نہ ہوتی اور نہ پستول والا ہاتھ اتنے اطمینان سے اس کی گود میں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ پستول اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور گولی کا زخم بائیں کنپٹی میں۔ یہ تو وہی گھما کر ناک پکڑنے والی شکل ہوئی۔ اگر آپ کے داہنے ہاتھ میں پستول ہے تو آپ خودکُشی کے لئے داہنی ہی کنپٹی کو نشانہ بنایئے گا۔ کیونکہ یہی سیدھا پڑتا ہے، اب تیسری وجہ سنئے ذرا اور قریب آجایئے اب اس زخم کو دیکھئے اگر یہ کیس خودکُشی کا ہوتا تو زخم کے اردگرد کا حصّہ بارود کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہوتا لیکن یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔ رہی چوتھی وجہ تو وہ بالکل صاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ

طاقت والا پستول ہے۔ اگر اس کی نالی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلائی ہوتی تو وہ سر کے اندر نہ رہ جاتی۔ بلکہ دوسری طرف کی ہڈّی بھی توڑ کر باہر نکل جاتی۔ اگر یہ چیز قانون کے خلاف نہ ہوتی تو میں ابھی آپ کو اس کا تجربہ کرا دیتا۔"

"وہ کس طرح۔۔۔!" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کی کنپٹی پر دوسرا فائر کر کے۔" فریدی بولا۔

بوڑھا سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔

"واقعی انسپکٹر صاحب جیسا آپ کا نام سُنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔ سچ کہتا ہوں اس طرف ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں گیا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"ایسا تو نہیں ہے میں بھی اس پر غور ہی کر رہا تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

حمید اب تک بالکل خاموش تھا۔ یہ سُن کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

"آپ سچ کہتے ہیں داروغہ جی۔" حمید مُسکرا کر بولا۔ "کل تک آپ قاتل کو بھی

گرفتار کر لیں گے۔"

"جی ہاں۔۔۔ کر کے دکھادوں گا۔" بوڑھا سب انسپکٹر جوش میں آکر بولا۔

"حمید یہ کیا بکواس ہے۔" فریدی نے اُسے گھور کر کہا۔ "داروغہ جی! آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ یونہی بے موقع بے تکی باتیں بولتا رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔ "میں ان کی کافی تعریف سُن چکا ہوں۔"

"اور اس وقت آپ مجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے ہوں گے۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے پھر بُرا سامنہ بنایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے حملہ کس طرف سے کیا۔" نوجوان انسپکٹر بولا۔

"اس روشن دان سے۔" فریدی نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ غسل خانہ ہے۔" ہوٹل کا منیجر بولا۔

"ٹھہریئے۔۔۔ یہ معاملہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔" فریدی نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر گھُستے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مُسکراتا ہوا غسل خانے سے نکل آیا۔

"رام سنگھ ناچ سے تھک کر لوٹا۔" فریدی نے کہنا شروع کیا۔ "غالباً قاتل پہلے ہی سے تیّار تھا۔ اُسے اس طرف آتے دیکھ کر چپکے سے غسل خانے میں گھُس گیا۔ رام سنگھ اس آرام کرسی پر آکر لیٹ گیا۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے روشن دان سے اس کی بائیں کنپٹی کا نشانہ لیا اور گولی چلادی۔ آرکسٹرا کی پرشور آواز میں گولی کی آواز کی طرف کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔ لیکن میں نے گولی کی آواز سُنی تھی۔ گولی لگتے ہی مقتول اُچھل کر اِدھر آگرا۔ یہ دیکھئے یہاں خون کا دھبّہ ہے،

جو دوسرے بڑے دھبہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ قاتل اس وقت غسل خانے کے اندر رہا ہو گا جب تک رام سنگھ ختم ہو گا۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہ کیا ہو گا۔ کیونکہ اسے یہ پستول بھی تو اس کہ ہاتھ میں دینا رہا ہو گا اور یہ کام لاش کے ٹھنڈے ہونے پر جب کہ جسم اکڑ جاتا ہے نہیں ہو سکتا۔ اس میں کچھ جان باقی رہی ہو گی۔ تب ہی اس نے اس کو اٹھا کر پھر کرسی پر ڈال دیا ہو گا اور پستول اس کے ہاتھ میں دے کر اس وقت تک اسے اپنے ہاتھوں سے دبائے رہا ہو گا جب تک کہ لاش بالکل سرد نہ ہو گئی ہو گی۔"

"یہ سب آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔" بوڑھا انسپکٹر بولا۔

"میرے ساتھ آیئے میں بتاؤں۔ آپ بھی آیئے۔" فریدی نے نوجوان انسپکٹر کو بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں غسل خانے میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے حمید بھی تھا۔

"بھلا بتایئے۔" فریدی نے غسل خانے میں داخل ہو کر کہا۔ "اس کرسی کا یہاں

کیا ٹنک ہے اور اس پر پیروں کے نشانات کیسے ہیں۔ خود رام سنگھ یا ہوٹل کا ملازم اتنا بد تمیز نہیں ہو سکتا کہ مخمل کے گدے کی کرسی پر کیچڑ بھرے ہوئے جوتوں سمیت کھڑا ہو کر اس کے نفیس گدے کو خراب کر دے۔ اب ذرا سی کرسی پر کھڑے ہو کر اس روشن دان کو سونگھیئے۔۔۔ آیئے آیئے اوپر چڑھ آیئے۔ ہاں ذرا ناک تو لگایئے اس روشن دان سے۔ کہیئے بارود کی بدبُو آ رہی ہے یا نہیں اور یہ دیکھیئے دھوئیں کا نشان۔" فریدی خاموش ہو گیا۔ بوڑھے سب انسپکٹر کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، نوجوان سب انسپکٹر فریدی کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ بھئی حمید اب چلیں۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر بوڑھے سب انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "داروغہ جی معاف کیجئے گا۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔"

"ارے واہ صاحب۔" نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ "اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ نہ جانے کہاں بھٹکتے پھرتے۔ ہمیں تو آپ کا شکر گذار ہونا چاہیے۔"

بوڑھا سب انسپکٹر بھی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

فریدی چلتے چلتے رُک گیا۔ وہ پھر لوٹ کر لاش کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک مقتول کے اس ہاتھ کا جائزہ لیتا رہا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگا۔

اب وہ جھک کر کرسی کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لاش کے نیچے دبا ہوا ایک سفید ریشمی رومال کھینچ لیا اور اُسے بغور دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کے چہرے پر مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"یہ لیجئے۔۔۔ یہاں ایک عورت بھی تھی۔"

"جی۔۔۔!" بوڑھے سب انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"نہایت آسانی سے۔۔۔ یہ دھبّے دیکھ رہے ہیں آپ۔" فریدی نے رومال پر پڑے ہوئے سُرخ رنگ کے دھبے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہونٹوں میں لگانے

والی سُرخی کے دھبّے ہیں اور بالکل تازے ہیں۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" نوجوان سب انسپکٹر نے فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہی عورت قاتل بھی ہے۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

"جی نہیں۔۔۔ کیا آپ نے کرسی کے گدّے پر پڑے ہوئے جوتوں کے نشانات کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ اگر کسی عورت کے اتنے بڑے پیر ہو سکتے ہیں تو آپ ہی کا کہنا سچ ہو گا۔"

"تو پھر وہ قتل کی سازش میں شریک رہی ہو گی۔" بوڑھا سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"اس کے متعلّق بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

اجنبی دوست

دوسرے دِن صُبح حمید اور فریدی ناشتہ کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے رات والے حادثے کے متعلّق گفتگو کر رہے تھے کہ ملازم نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔

حمید نے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔ ”مس شہناز بیگم۔“

”ارے! یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور تم نے اسے بتا دیا۔۔۔ آخر خواہ مخواہ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت

تھی۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے یا آپ کے متعلّق اسے کبھی یہ نہیں بتایا کہ ہم محکمہ سُراغ رسانی سے تعلّق رکھتے ہیں۔"

"بھیج دو۔۔۔!" فریدی نے ملازم سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں شہناز کمرے کے اندر تھی۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

"ارے۔۔۔!" آپ لوگ یہاں۔" اس نے حیرت سے کہا۔"

فریدی اور حمید مُسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ بھی میری ہی طرح پریشان کیے گئے ہیں۔" شہناز ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔" یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ اب میں اپنی بے گناہی کا ثبوت فریدی صاحب کو دے سکوں گی۔"

”آخر بات کیا ہے۔“حمید بولا۔

”پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ وہ میں کل کنور کے ساتھ ناچ رہی تھی نا۔ بس اسی لیے وہ لوگ مجھ پر شُبہ کر رہے ہیں۔ کل رات سے اسی پریشانی میں مُبتلا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے مدد لوں۔“

”لیکن فریدی اس سلسلہ میں آپ کی کیا مدد کر سکے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں نے سُنا ہے کہ وہ بے گناہوں کی مدد ضرور کرتے ہیں اور پھر خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی تھے، میں اپنی بے گناہی اچھی طرح ثابت کر سکوں گی۔“ شہناز بولی۔ ”آپ کی گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فریدی صاحب سے کافی بے تکلّف ہیں۔“

”کیا کہنے ہیں آپ کی بے تکلّفی کے۔“حمید ہنس کر بولا۔ ”بس یہ سمجھئے کہ فریدی کی بیوی اِن کی بیوی ہے۔“

"بیوی۔۔۔!" شہناز چونک کر بولی۔ "میں نے سُنا ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ میرے جس دوست نے ان کا پتہ بتایا تھا اُسی سے اُن کی بہتیری عجیب و غریب عادتوں کے متعلّق بھی معلوم ہوا تھا۔"

فریدی مُسکرانے لگا۔

"عجیب و غریب عادتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔" حمید بولا۔

"یہی کہ وہ عام آدمیوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فریدی صاحب کے سر پر دو سینگ ہیں۔ ایک سونڈ ہے اور کان سِرے سے ہیں ہی نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تعجّب ہے کہ آپ انہیں کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح ان کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" شہناز ترش روئی سے بولی اور فریدی مُسکرانے لگا۔

"آپ فریدی سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" شہناز بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے تو آپ سے ہر گز نہیں پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔"

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔

"میں آپ لوگوں کو اتنا بد اخلاق نہیں سمجھتی تھی۔" شہناز بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر پریشان ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں، میں اس بات کی گواہی دوں گا کہ حادثے کے وقت آپ میرے ساتھ تھیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کی گواہی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ یوں تو دو چار جھوٹے گواہ بھی بنائے جا سکتے ہیں۔" شہناز نے بے بسی سے کہا۔

حمید پھر ہنسنے لگا۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔۔۔ کچھ چائے وغیرہ پیجیئے۔" فریدی نے کہا اور نوکر کو بلا کر چائے لانے کے لیے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آپ کے کوئی عزیز ہیں۔" شہناز متعجّب ہو کر بولی۔ "آپ کی بے تکلّفی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"جی نہیں۔۔۔ بلکہ میں خود فریدی ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"ارے۔۔۔ آپ۔۔۔!" شہناز گھبرا کر کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ آپ اُٹھ کیوں گئیں۔۔۔ بیٹھئے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"اور یہ سارجنٹ حمید ہیں۔۔۔ میرے اسسٹنٹ اور بہترین دوست۔"

شہناز کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"معافی چاہتی ہوں۔۔۔ ابھی ابھی میں آپ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئی تھی اور اس کی وجہ محض لاعلمی ہے۔" شہناز شرمندگی کے لہجے میں بولی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"مجُھے سخت شرمندگی ہے۔" شہناز بولی۔ "لیکن کل آپ نے اپنا کوئی اور نام بتایا

تھا۔"

"میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے لوگ صرف فریدی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور حمید نے بھی اپنا نام غلط نہیں بتایا تھا۔"

"میں سمجھتی تھی کہ آپ بوڑھے نہیں تو ادھیڑ ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو۔۔۔" شہناز نے کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھتی تھی۔۔۔ یہ اس وقت بھیس بدلے ہوئے ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ فریدی ہنسنے لگا۔

"کیا واقعی۔۔۔!" شہناز حیرت سے بولی۔ فریدی مُسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مطمئن رہو تمہاری محبوبہ مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔

اتنے میں چائے آگئی۔ تینوں چائے پینے لگے۔

"میں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، خدا نے اگر میرے اوپر

مُصیبت ڈالی تو اس سے بچاؤ کا انتظام بھی پہلے ہی کر دیا۔" شہناز چائے کی پیالی رکھتی ہوئی بولی۔

"آپ مطمئن رہئے۔۔۔ آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔" حمید بولا۔

"ہاں۔۔۔ ذرا یہ بتایئے۔۔۔ لیکن ٹھیک بتایئے گا کہ رام سنگھ یعنی کنور صاحب کو کب سے جانتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بخدا میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ کل شام کے علاوہ میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اُس سے آپ کا تعارف کس نے کرایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام نے۔" شہناز نے کہا۔ "لیڈی سیتا رام مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں اُن کی چھوٹی بہن کا ٹیوشن کرتی تھی، جب میں کل شام کو آرلکچنو پہنچی تو یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام نے مُجھے بھی اسی میز پر بلایا۔ وہیں اس سے تعارف ہوا۔ لیڈی سیتا رام کو تھوڑی دیر بعد اچانک کوئی کام یاد آ گیا اور جلد ہی

واپس آجانے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ مجھے حمید صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے آرلکچنو میں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لیے میں وہیں کنور صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد ناچ شروع ہو گیا۔ لیڈی سیتا رام اس وقت تک نہیں لوٹی تھیں۔ ہمارے حمید صاحب بھی ندارد تھے، میں سوچ رہی تھی کیا کروں کہ کنور صاحب نے ناچنے کی درخواست کی۔ دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اخلاقاً ناچنا ہی پڑا۔"

"اچھا دوسرے راؤنڈ میں جو عورت اس کے ساتھ ناچ رہی تھی وہ کون تھی۔" فریدی نے کہا۔

"لیڈی سیتا رام۔۔۔ وہ شاید پہلے ہی راؤنڈ کے درمیان واپس آگئی تھی۔" شہناز نے کہا۔

"اچھا تو وہی لیڈی سیتا رام تھی۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تو بالکل جوان ہیں اور سیتا رام کی عمر ساٹھ سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔"

”یہ اُن کی دوسری بیوی ہیں۔ ابھی تین سال ہوئے ان کی شادی ہوئی ہے۔“

”جس لڑکی کو آپ پڑھاتی ہیں اس کی کیا عمر ہے۔“

”زیادہ سے زیادہ پندرہ سال۔“

”کیا وہ بھی یہیں رہتی ہے۔“

”جی ہاں! لیڈی سیتارام اُسے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔“

”سر سیتارام اور لیڈی سیتارام کے تعلّقات کیسے ہیں۔ میرے خیال سے تو آپس میں بنتی ہوگی۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ تقریباً ایک سال تک میں اُن کے یہاں آتی جاتی رہی ہوں۔“

”اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ملی کہ آپ اُس کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ کیا آرلکچنو میں کوئی اور بھی شناسا موجود تھا۔“ فریدی نے

کہا۔

”میرے خیال سے تو آپ دونوں اور لیڈی سیتا رام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا ممکن ہے کوئی رہا بھی ہو لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں۔“

" آپ نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ بتایا تھا یا نہیں کہ لیڈی سیتا رام عرصہ تک مقتول کے ساتھ رہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”مقتول۔۔۔!“ شہناز چونک کر بولی۔ ”تو کیا کنور صاحب کو قتل کیا گیا ہے لیکن اخبارات میں تو ان کی خودکُشی کی خبر شائع ہوئی ہے۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ”ہاں آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”میں دراصل پولیس کو یہ بتانا بھول گئی کہ لیڈی سیتا رام بھی کنور صاحب کے ساتھ تھیں۔“ شہناز نے کہا۔ ”میں ابھی اس کی اطلاع پولیس کو دے دوں گی۔“

”نہیں اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب آپ پولیس کو کوئی اور بیان نہ دیجئے گا۔

میں ابھی کوتوالی جا کر سب معاملات ٹھیک کر لوں گا۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔"
فریدی نے کہا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" شہناز نے کہا۔

"شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔"

"کیا کہا آدمی۔۔۔!" فریدی نے بناوٹی غصّہ سے کہا۔

"جی نہیں آفیسر۔۔۔!" حمید نے سنجیدگی اور گھبراہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ شہناز ہنسنے لگی۔

شہناز غائب

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی حمید دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔
ان کی کار تیزی سے شہر کی سڑکیں طے کر رہی تھی۔

”کیوں بھئی حمید۔۔۔ شہناز کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اور کس حیثیت سے۔“ حمید بولا۔

”عاشق کی حیثیت سے نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ سارجنٹ حمید کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔“

”تو میرا جواب یہ ہے کہ میں اس کے لیے کسی حالت میں بھی سارجنٹ حمید نہیں ہو سکتا۔“

”اور اگر رام سنگھ کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو تو۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

”تب بھی میں صرف حمید رہوں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”شاباش۔۔۔ اے مجنوں کے بھائی۔ خدا تم پر رحم کرے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اگر یہی بات ہے تو مجبوراً مجھے تم کو اس کیس سے الگ ہی رکھنا پڑے گا۔“

”تو آپ کو کیس ملا ہی کب جاتا ہے۔ کوئی ایسا خاص کیس نہیں۔ رام سنگھ ایک عادی مجرم اور قاتل تھا جب بھی پولیس کے ہتھے چڑھتا اُسے پھانسی ضرور ہو جاتی۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کچھ زیادہ چھان بین ہی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اخبارات میں خود کُشی کا واقعہ کیوں شائع ہوا ہے۔ جب کہ آپ پورے دلائل کے ساتھ اُسے قتل ثابت کر چکے تھے۔“

”یہ سب اُسی بوڑھے سب انسپکٹر کی شرارت ہے وہ دراصل اپنی کارگزاری دکھا

کر ترقّی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین دِن کے بعد وہ اپنے طریقہ پر اس بات کو پبلک کے سامنے لائے گا کہ مرنے والا کسی ریاست کا راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ تھا اور اس نے خودکُشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ خیر مجھے کیا۔۔۔اس طرح اس کا بھلا ہوتا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کیے تھے وہاں ہوٹل کا منیجر بھی تو موجود تھا۔" حمید نے کہا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا منہ نہایت آسانی سے بند کیا جا سکتا ہے، میرے خیال سے تو سب انسپکٹر کی صرف ایک ہی دھمکی کافی ہوئی ہو گی۔"

"خیر اگر ایسا ہے تو میں ان بوڑھے میاں سے کچھ سمجھ لوں گا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوتوالی کے پھاٹک میں داخل ہونے کے لیے کار گھمائی۔ بوڑھا سب انسپکٹر سنہا کوتوالی میں موجود تھا

اور وہ نوجوان سب انسپکٹر بھی جو واردات کی رات میں انسپکٹر سنہا کے ساتھ تھا۔

"فریدی صاحب آپ کی رات والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔" انسپکٹر نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے خودکُشی ہی سمجھتا ہوں۔"

"ممکن ہے آپ ہی کی رائے درست ہو۔۔۔ مجھ سے غَلَطی بھی ہو سکتی ہے۔" فریدی نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"نہیں۔۔۔ خیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔" سنہا نے کہا۔

"لیکن آپ نے تحقیقات کے سلسلے میں غلط آدمی کو منتخب کیا ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" سنہا بولا۔

"جس وقت یہ واردات ہوئی شہناز میرے ساتھ ناچ رہی تھی اور آخر تک میرے ہی ساتھ رہی، پہلے راؤنڈ میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناچی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر۔۔۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اُسے دیکھا بھی نہ تھا۔"

”تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔“ سنہا نے جواب دیا۔

”خیر کوئی بات نہیں وہ بیچاری بہت پریشان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہاں یہ تو بتائیے کہ اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناچ رہی تھی اور اس کے ساتھ ناچنے والی دوسری عورت کون تھی۔“

”دوسری کے متعلّق تو میں کچھ نہیں جانتا۔“ سنہا نے جواب دیا۔ ”اور بعض وجوہات کی بناء پر یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ شہناز کے متعلّق اطلاع دینے والا کون ہے۔“

”خیر میں اس کے لیے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔ میں تو اس وقت محض شہناز کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لیے آیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کی طرف سے آپ مطمئن رہیے۔“ سنہا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں اب معافی چاہتا ہوں ایک ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے۔“

”ضرور ضرور۔۔۔!“ فریدی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

سنہا چلا گیا۔۔۔ نوجوان سب انسپکٹر ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ فریدی اس کی طرف مخاطب ہوا۔

"کہیے داروغہ جی۔۔۔ کیا آپ ابھی حال ہی میں یہاں آئے ہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔ ٹریننگ لے کر آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو کام ہی سیکھ رہا ہوں۔"

"آپ ترقّی کریں گے۔ آپ کی بُلند اور کشادہ پیشانی پُکار پُکار کر آپ کی ذہانت کا اعلان کر رہی ہے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "لیکن اس لائن میں ترقّی کرنے کے لیے تھوڑی سی چال بازی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سنہا صاحب ہی کو لے لیجئے۔ کتنی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لے رہے ہیں کہ ابھی تک اس بات کا بھی اعلان نہیں کیا کہ مقتول راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ ہے۔ اگر یہ اس کیس میں کامیاب ہو گئے تو ان کا سرکل انسپکٹر ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔"

"اگر آپ لوگوں کی عنایتیں ساتھ رہیں تو میرا ترقّی کرنا مشکل نہ ہو گا۔" نوجوان سب انسپکٹر نہایت سعادت مندی سے بولا۔

"بھئی میرے لائق جو خدمت ہو اس کے لیے ہر وقت تیّار ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں آپ سے کچھ اُنسیت سی ہو گئی ہے۔ لیجئے سگار پیجئے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ نوجوان سب انسپکٹر نے ایک سگار لیا اور سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کیس کی نجی طور پر تفتیش کروں اور کامیابی ہو جانے پر مشہور کر دوں کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے۔"

نوجوان سب انسپکٹر کی باچھیں کھل گئیں اور اُس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

"ارے کیا۔۔۔!"

"نہیں واقعی نہ جانے کیوں میں آپ کو ترقّی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا

ہوں کہ یہ کیس سنہا صاحب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے محکمہ سُراغ رسانی کے سپرد نہ کیا جائے گا اور میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس کی تفتیش کروں، لہٰذا اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ نجی تفتیش کے بعد مجھے کسی نہ کسی کے سر اس کی کامیابی کا سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔ اس لیے میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں۔"

"ارے صاحب اگر ایسا ہو تو کیا کہنا میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کروں گا۔" نوجوان انسپکٹر بولا۔

"لیکن اس کے لیے راز داری شرط ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تک تو یہی پتہ نہیں چل سکا کہ شہناز کے متعلّق مطلع کرنے والا کون ہے۔"

"آپ مطمئن رہیے میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔" نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ "اور شہناز کے متعلّق اطلاعات دینے والی ایک عورت ہے۔"

"وہ کون عورت ہے۔۔۔؟" فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام۔۔۔!" نوجوان سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "کل آپ کے

چلے جانے کے بعد وہ ہمیں آرلکچنو میں ملی تھی۔"

"بہت خوب۔۔۔ اچھا اس کا تذکرہ سنہا صاحب سے نہ کیجئے گا۔ میں اب چلوں گا۔" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں آپ کا نام پوچھنا تو بھول ہی گیا۔"

"مجھے جگ دیش کمار کہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے اُٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھا جگ دیش صاحب۔۔۔ گھبرائیے نہیں۔۔۔ پولیس کے بڑے عہدے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو لے کر باہر چلا گیا۔

"کہو برخوردار کیسی رہی۔" فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آپ کو گھسنا بھی خوب آتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

”سول سرجن کے یہاں۔“فریدی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔وہاں کیا کرنا ہے۔“

”رشوت دے کر اپنے لیے ایک ماہ کی چھٹی کے لیے میڈیکل سرٹیفکیٹ لوں گا۔“فریدی نے کہا۔

”یہ کیوں۔۔۔!“حمید نے حیرت سے کہا۔

”میں کتّوں کی نمائش دیکھنے باہر جارہا ہوں، اپنے کچھ عمدہ قسم کے کتّے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ تو نِجی طور پر اس کیس کی تفتیش کرنے جا رہے تھے۔“حمید نے حیرت سے کہا۔

”میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں، اصلی مقصد تو شہناز کو بچانا تھا سو وہ پورا ہو گیا۔“

”تعجّب ہے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے کہ سنہا سچ مچ شہناز کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اگر ایسا تھا تو اس نے لیڈی سیتا رام کا نام کیوں چھپایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفائی دے دینے کے بعد بھی شہناز پر شُبہ کر رہا ہے۔“

”بھئی کچھ بھی ہو۔۔۔ میرا جانا ضروری ہے۔ میں نمائش کے منتظم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ البتّہ یہ ہو سکتا ہے کہ نمائش ختم ہوتے ہی فوراً واپس آ جاؤں۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر صاحب جائیے۔۔۔ آپ بھلا میرے لیے کیوں تکلیف کرنے لگے۔ جانتے ہیں نا کہ شہناز میری دوست ہے۔“ حمید نے مُنہ پھُلا کر کہا۔

”بس بگڑ گئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم تو ہو نرِے گھامڑ۔۔۔ آخر اتنی جلدی کون سی آفت آ جائے گی۔ میرے جانے کے بعد سر سیتا رام کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ اچھا چلو۔۔۔ شہناز کو بھی لگے ہاتھوں کچھ ہدایتیں دیتا چلوں۔“

"جی بس۔۔۔ رہنے دیجئے۔ ہم لوگوں کی فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کے کتّوں کو سلامت رکھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ گدھے ہیں۔" فریدی نے کہہ کر کار شہناز کی طرف موڑ دی۔

شہناز بیلی روڈ پر ایک چھوٹے سے انگریزی وضع کے خوبصورت مکان میں رہتی تھی۔ اس وقت وہاں نہ جانے کیوں اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شہناز کی بوڑھی ملازمہ ہاتھ نچا نچا کر لوگوں سے باتیں کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے کار سے اُتر کر اس سے پوچھا۔

"ارے صاحب نہ جانے کیا ہو گیا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہو گیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ابھی مس صاحب یہاں کھڑی تھیں۔ میں وہاں برآمدے میں دیکھ رہی تھی۔ اچانک ایک موٹر یہاں آ کر رُکی۔ اُس پر سے دو آدمی اترے اور انہوں نے مس صاحبہ کو اُٹھا کر موٹر میں ڈال دیا اور موٹر یہ جا وہ جا۔۔۔ نہ جانے کہاں غائب ہو

گئی۔ہائے اب کیا ہو گا۔" ملازمہ روتی ہوئی بولی۔

"موٹر کِدھر گئی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ اور کتنی دیر ہوئی، موٹر کار نگ کیسا تھا۔

"مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔" ملازمہ نے دکھن کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "موٹر اس طرف گئی ہے۔ موٹر کار نگ کتھئی تھا۔ بالکل نئی معلوم ہوتی تھی۔"

"حمید جلدی کرو۔۔۔!" فریدی نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی کی کار تیزی سے دکھن کی طرف جارہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

حمید غصّہ میں ہونٹ چبارہا تھا۔ وہ دونوں گھنٹوں سڑکیں ناپتے پھرے لیکن کتھی رنگ کی نئی کار کہیں نہ دکھائی دی۔

”صبر کرو میاں حمید، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔“ فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

”نمک چھڑکیے زخموں پر۔۔۔!“ حمید نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

”بس چہکنا بھول گئے۔ اب ہی تو آئے جناب چکّر میں۔ اچھا اب سول سرجن کے یہاں چلنا چاہیے۔“ فریدی نے کہا۔

”مجھے تو آپ یہیں اتار دیجیئے۔ جب تک میں اس کار کو تلاش نہ کر لوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔“ حمید نے کہا۔

”احمق ہوئے ہو۔ اس شہر میں کتھئی رنگ کی درجنوں کاریں ہوں گی۔ کیا چیف انسپکٹر کی کار کتھئی رنگ کی نہیں۔ اس طرح بھی کہیں سُراغ ملا کرتا ہے۔“

”پھر بتایئے میں کیا کروں۔“ حمید نے بے بسی سے کہا۔

”مجھے فی الحال جانے دو اور خود سیتا رام کی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہو مگر خبر دار کوئی حماقت نہ ہونے پائے۔ واپسی پر مجھے مکمل رپورٹ دینا اور سیتا رام کی کوٹھی

کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔"

یلوڈ نگو

سرسیتارام شہر کے معزّز آدمیوں میں سے تھے اور بے پناہ دولت کے مالک تھے۔ ان کی عمر پچپن یا ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ پچاس سال کی عمر میں اُن کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ لاولد تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کے مرنے کے کچھ دِن بعد تک وہ یہ عہد کیے رہے کہ دوسری شادی کسی حال میں نہ کریں گے لیکن آخر کار ان کا دل ان کے ایک قرض خواہ کی جوان لڑکی پر آ ہی گیا اور انہوں نے اُس کے ساتھ شادی کر لی، یہی لڑکی موجودہ لیڈی سیتارام تھی۔ اُس کے ساتھ اُس کی چھوٹی بہن کمودنی بھی رہتی تھی۔ سرسیتارام اُسے اعلیٰ تعلیم

دِلا رہے تھے۔ سر سیتا رام کے ساتھ اُن کا بھتیجا سریندر کمار بھی رہتا تھا، جو تین سال قبل انگلینڈ سے ایم اے کی ڈگری لے کر واپس آیا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان تھا۔ سر سیتا رام اُسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ عموماً دیکھا گیا اُن کے پاس تقریباً ساٹھ ستّر کتّے ہوں گے اور سب اپنی مثال آپ۔ دنیا کی کوئی مشہور نسل نہ رہی ہو گی جس کا ایک آدھ جوڑا اُن کے پاس نہ ہو۔ شہر میں وہ کتّوں کے اسپیشلسٹ سمجھے جاتے تھے۔ اِس لائن میں اُن کی تجربہ کاری کا یہ عالم تھا کہ محض کتّوں کی آواز سُن کر اُس کی نسل کے بارے میں پورے پورے لیکچر دے ڈالتے تھے۔

حمید نے اِن ساری باتوں کا پتہ لگا لیا تھا۔ اُسے رہ رہ کر فریدی پر غصّہ آ رہا تھا۔ وہ اُس کی پریشانیوں کی پرواہ کیے بغیر کتّوں کی نمائش میں حصّہ لینے کے لیے بمبئی چلا گیا لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ فریدی بہرحال اس کا آفیسر تھا۔ یہ اُس کی شرافت اور نیک نفسی تھی کہ اُس نے کبھی اُسے اپنا ماتحت نہیں سمجھا۔ حمید دِن میں کئی بار سر سیتا رام کی کوٹھی کا چکّر لگاتا لیکن بے سود۔ کسی قسم کا کوئی سُراغ نہ

ملا۔ اُسے سب سے بڑی پریشانی شہناز کی وجہ سے تھی۔ ورنہ بھلا وہ کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔

اس دوران میں فریدی کی طرف سے میدان صاف دیکھ کر انسپکٹر سنہا نے بھی نئے نئے گُل کھلانے شروع کیے۔ ایک دِن اخبارات میں خبر دیکھنے میں آئی کہ آر لکھنو میں خودکُشی کرنے والا کوئی راج کمار نہیں بلکہ مشہور عورت فروش رام سنگھ تھا۔ پھر دوسرے دِن اخبار والے چیخ رہے تھے کہ رام سنگھ نے خودکُشی نہیں کی تھی بلکہ اُس کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور ساری سُراغ رسانی کا سہرا انسپکٹر سنہا کے سر باندھا جا رہا تھا۔ اخبارات دل کھول کر اس کی تعریفوں کے پُل باندھ رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر حمید کا خون کھولنے لگا وہ کوتوالی پہنچا۔ اِتّفاقاً انسپکٹر سنہا سے جلد ہی مُڈ بھیڑ ہو گئی۔

"کہیے حمید صاحب مزاج تو اچھے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے مُسکرا کر کہا۔

"جی ہاں کافی اچھے۔" حمید نے مُنہ بنا کر کہا۔ "ہمارے مزاج اچھے نہ ہوتے تو یہ

دِن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

"آپ کُچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔" سنہا نے کہا۔ "بھئی کیا کروں مجبوراً شہناز کا وارنٹ گرفتاری جاری کرنا پڑا۔"

"وارنٹ گرفتاری۔۔۔!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔ وہ بہت عیّار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔۔۔!" حمید نے جھلّا کر کہا۔ "اُسے تو کچھ لوگ زبردستی پکڑ لے گئے۔"

"ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔ حمید میاں۔۔۔ میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔" سنہا نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" حمید نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے۔۔۔ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کُچھ لوگ اُسے

زبردستی پکڑ لے گئے۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن ہم لوگ ٹھیک اُس وقت پہنچے تھے جب اس کی نوکرانی مکان کے سامنے کھڑی شور مچارہی تھی۔"

"تو پھر معاملہ صاف ہے۔" سنہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "شہناز نے بڑا عمدہ پلاٹ بنایا۔ ایک طرف اس نے آپ لوگوں سے اپنی صفائی دِلوائی اور دوسری طرف اپنی بے گناہی کا اور زیادہ یقین دِلانے کے لیے اِس طرح غائب ہو گئی۔ بھئی بلا کی عیّار عورت نکلی۔"

"تو اس طرح پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ میں اور فریدی صاحب بھی اس قتل میں شریک ہیں کیونکہ وہ آخر تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔" حمید نے غصّہ سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی گواہی غلط ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس نے آپ لوگوں کو بھی دھوکہ دیا ہو۔" سنہا نے کہا۔

"یہ قطعی نامُمکن ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" سنہا نے آہستہ سے کہا اور اپنی میز پر رکھے ہوئے کاغذات اُلٹنے پلٹنے لگا۔ حمید غصّہ میں اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ شام ہو رہی تھی، بازار میں کافی بھیڑ ہو گئی تھی۔ حمید بُری طرح اُلجھ رہا تھا۔ اُس وقت سنہا سے گفتگو کرنے کے بعد سے اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ دل بہلانے کے لیے وہ ایک ریستوران میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا چائے پیتا رہا لیکن وہاں بھی دل نہ لگا۔ ریستوران سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، دفعتاً اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس پر بیٹھ کر سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوٹھی سے ایک فرلانگ اِدھر ہی اُس نے ٹیکسی رکوائی اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابوں کی ایک دُکان پر آیا۔ یہاں اُس کے اور کوٹھی کے درمیان میں صرف سڑک حائل تھی، وہ بظاہر کاؤنٹر پر لگی ہوئی کتابیں اُلٹ پلٹ رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں کوٹھی کے بائیں باغ کے پھاٹک کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سیتا رام ایک کتھئی رنگ کے اسپینل کتّے کی زنجیر تھامے کوٹھی

سے بر آمد ہوئے۔ یہ ان کی سیر کا وقت تھا۔ اُن کی عادت تھی کہ وہ روزانہ شام کو اپنے کسی چہیتے کتّے کو ہمراہ لے کر ہوا خوری کے لیے پیدل لارنس گارڈن تک جایا کرتے تھے۔ حمید انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اُس نے جلدی سے ایک کتاب خریدی اور سر سیتارام کے پیچھے چل پڑا۔ سر سیتارام بڑھاپے کی سرحدوں میں ضرور قدم رکھ چکے تھے لیکن اس کے قویٰ ابھی تک کافی مضبوط معلوم ہوتے تھے، چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے قطعی آزاد تھا۔ بھرے ہوئے چہرے پر پتلے پتلے ہونٹ کچھ عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ کنپٹی اور آنکھوں کے درمیان بے شمار شکنیں تھیں۔ نِچلا جبڑا چہرے کے اوپری حصّے کی بہ نسبت زیادہ بھاری تھا۔ ان کی چال میں ایک عجیب قسم کی شان پائی جاتی تھی، جس میں غور آمیزش زیادہ تھی یا پھر ان میں یہ انداز پچیس سال تک فوجی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو، ویسے وہ کافی خلیق اور ملنسار مشہور تھے۔

حمید انہیں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ انہیں ایک خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ علم القیافہ کے ماہرین کی طرح وہ بھی اسی پر ایمان رکھتا تھا کہ بھاری جبڑوں کے لوگ

عموماً ظالمانہ رجحانات کے مالک ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ اٹھتا تھا کہ رام سنگھ والے معاملے میں ان حضرات کا ہاتھ ہے اور شہناز کو غائب کرا دینے کے ذمہ دار بھی یہی ہیں۔

حمید برابر سر سیتا رام کا تعاقب کیے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچ گئے۔ چند لمحے ٹہلتے رہنے کے بعد وہ ایک بنچ پر بیٹھ کر سستانے لگے۔ حمید بھی کچھ دور ہٹ کر ایک بنچ پر بیٹھ کر نئ خریدی ہوئی کتاب کے ورق الٹنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرے۔ اچانک غرّاہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک پیلے رنگ کا خوفناک کتّا مہندی کی باڑھ پھلانگتا ہوا سر سیتا رام کے کتّے پر جھپٹ پڑا۔ اُس نے ان کے کتّے کو دو تین پٹخنیاں دیں اور اس کی گردن دبا کر بیٹھ گیا۔ سر سیتا رام کے کتّے نے سہم کر آواز بھی نکالنی چھوڑ دی تھی۔ سر سیتا رام بنچ پر کھڑے ہو کر چیخ رہے تھے۔

"اے ہٹو۔۔۔ ہٹو۔۔۔ ڈنگو کے بچے۔" ایک آدمی مہندی کی دوسری طرف سے کہتا ہوا کودا۔ اُس نے جھپٹ کر پیلے کتّے کے پٹّے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت

سے آزاد ہوتے ہی سر سیتا رام کا کتّا بھاگ کر بنچ کے نیچے دُبک گیا۔ نو وارد ایک عجیب الخلقت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں وہ کافی مہذّب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے بلا کی عیّاری اور مکّاری ظاہر ہو رہی تھی۔ اُس کے سُرخ و سفید چہرے پر گہرے سیاہ رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بڑی عجیب لگ رہی تھی۔ لیکن اس میں بے ڈھنگا پن نہیں تھا۔۔۔ آنکھوں پر بغیر فریم کا سبک سا چشمہ تھا۔ مونچھیں باریک اور نوکیلی تھیں۔ جسم کی ساخت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کڑی محنت کا عادی ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ مجموعی حیثیت سے وہ کسی اونچی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"جنابِ والا مجھے ندامت ہے۔" اس نے بپھرے ہوئے پیلے کتّے کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ اتنا خوفناک کتّا آپ اِسے اِس طرح آزاد کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔" سر سیتا رام نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ ایک بھاری جرم کر رہے ہیں۔"

"جرم!" اجنبی نے چونک کر کہا۔ "بھلا اس میں جُرم کی کیا بات ہے۔"

"ایسے خطرناک کتّے کو آزاد چھوڑ دینا جُرم نہیں تو اور کیا ہے۔" سر سیتا رام تُرشی سے بولے۔ "یا پھر شاید آپ اِس کی نسل سے واقف ہیں۔ یہ افریقی نسل کا یلو ڈنگو ہے، بعض اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی ٹکر لے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب و ہوا میں اب تک کیسے ہے۔"

اجنبی سر سیتا رام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ "واہ رے میری قسمت۔۔۔!" وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ "سارے ملک میں آپ ہی مجھے کتّوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کار نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتّا یہاں کی آب و ہوا میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندہ کیسے رہا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" سر سیتا رام نے چونک کر کہا۔ "تو کیا یہ کتّا آپ کا نہیں ہے۔"

"جی نہیں! یہ بہت ہی عجیب و غریب طریقے سے مُجھ تک پہنچا ہے۔" اجنبی نے

اپنے پائپ میں تمبا کو بھرتے ہوئے کہا۔ سر سیتا رام توجّہ اور دلچسپی کے ساتھ اجنبی کو دیکھ رہے تھے۔ حمید کا دل بڑی شدّت سے دھڑک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس کتّے کو پہچانتا تھا۔

"تین چار دِن کی بات ہے۔" اجنبی کہنے لگا۔ "میں شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا میں نے ایک چلتی ہوئی ٹرین کے جانوروں کے ڈبّے سے اس کتّے کو کُود کر باہر آتے دیکھا۔ ٹرین گذر گئی اور یہ بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کار روک دی اور اُتر کر اِسے پکڑ لیا۔ تب سے یہ میرے پاس ہے۔"

"لیکن یہ اتنی جلدی آپ کے قابو میں کیسے آ گیا۔" سر سیتا رام پلکیں جھپکاتے ہوئے بولے۔

"اوہ میرے لیے یہ کون سی بڑی بات ہے۔" اجنبی مُسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ میں اس ذات کے کتّوں کی نس نس سے واقف ہوں۔" اجنبی نے اپنے کتّے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اُسے

ایک بنچ کے پائے سے باندھ دیا اور سر سیتارام کے کتّے کو گود میں اُٹھا کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"جی ہاں۔۔۔!" سر سیتارام مُسکرا کر بولے۔ "تقریباً پانچ یا چھ درجن۔"

"پانچ چھ درجن۔" اجنبی چونک کر بولا۔ "تب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق ہیں۔"

"تو کیا آپ بھی۔"

سر سیتارام نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔!" اجنبی نے جواب دیا۔

"آپ کی تعریف۔۔۔!" سر سیتارام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر سر سیتارام کے ہاتھ میں دے دیا۔

"کرنل جی پرکاش سی بی ای۔" سر سیتارام نے بُلند آواز سے کارڈ پڑھا۔

”اور آپ۔۔۔!“ اجنبی نے کہا۔

”لوگ مجھے سر سیتارام کے نام سے پکارتے ہیں۔“

”سر سیتارام۔۔۔!“ اجنبی نے خوشی کے لہجے میں چیخ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔۔۔ بھلا پھر کیوں نہ ہو۔۔۔ آپ سے زیادہ کتّوں کے بارے میں کون جان سکتا ہے۔ یہی تو میں کہوں۔۔۔ میں نے آپ کی تعریف ایک انگریز دوست سے افریقہ میں سُنی تھی، اس اچانک ملاقات سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ یہ میں نہیں بیان کر سکتا۔“

”آپ مُجھے خواہ مخواہ شرمندہ کر رہے ہیں، ارے آپ بھلا کسی سے کم ہیں۔“ سر سیتا رام نے منکسر المزاجی کے ساتھ کہا۔ ”کیا اس وقت میں افریقہ کے مشہور کروڑپتی سے ہم کلام نہیں ہوں۔“

”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہاں بھی لوگ مُجھے جانتے ہیں۔“ اجنبی نے مُسکرا

کر کہا۔

”ایک بار میرا ارادہ ہوا تھا کہ افریقہ کی ایک ہیرے کی کان کا حصّہ دار ہو جاؤں، اسی دوران میں مجھے آپ کا نام معلوم ہوا تھا، واقعی میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے اس طرح ملاقات ہو گئی۔“

اب دونوں گفتگو کرتے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ حمید کی نظریں کتّے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ان دونوں کی گفتگو صاف سُنی تھی۔ یہ کرنل پرکاش اُسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن آنکھوں سے بار بار اُن کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے دِل میں پیدا ہوا، اُسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ مقتول رام سنگھ کے کچھ ساتھی اس کے قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہیں تو کیا یہ اجنبی انہی میں سے کوئی ایک ہے؟ مگر یہ اُسے کیسے مل گیا کہیں اس کی آنکھیں اسے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں، مگر نہیں، وہ اسے ہزار میں پہچان سکتا ہے۔

حمید اِدھر اُن گتھّیوں میں اُلجھ رہا تھا اور وہ دونوں نہایت انہماک اور گرم جوشی کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے، لیکن ان کی آواز اب زیادہ صاف نہیں سنائی دے رہی تھی، حمید پھر اُلجھن میں پڑ گیا، ان دونوں میں ابھی ملاقات ہوئی تھی اور اتنی جلدی یہ راز داری کیسی، یہ سرگوشیاں کیسی۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ تھوڑی دیر تک دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا کرنل صاحب اب چلنا چاہیے۔ واقعی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" سر سیتارام نے کرنل پرکاش سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کل آپ آرہے ہیں نا۔۔۔!"

"ضرور ضرور، میرے لیے یہ خوش نصیبی کم نہیں کہ خلافِ توقع یہاں اتنی اچھی سوسائٹی مل گئی۔" کرنل پرکاش نے ہنستے ہوئے کہا۔

دونوں اُٹھ کر باغ کے باہر آئے۔

حمید اب سیتارام کے بجائے کرنل پرکاش کا تعاقب کر رہا تھا۔

”ارے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کرنل پرکاش آرلکچنو ہوٹل کے انہیں کمروں میں ٹھہرا ہوا ہے جن میں مقتول رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اُس کا شُبہ یقین کی سرحدیں چھونے لگا۔ ضرور یہ شخص رام سنگھ ہی کے گروہ سے تعلّق رکھتا ہے۔ اسے رہ کر فریدی پر غصّہ آرہا تھا کہ ایسے وقت میں اُسے تنہا چھوڑ کر خود سیر کرتا پھر رہا ہے۔ شہناز کی گُمشدگی کا خیال اُسے بُری طرح بے چین کیے ہوئے تھا۔ یہ تو وہ کسی طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ رام سنگھ کے قتل کی سازش میں وہ بھی شریک رہی ہے، اُسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ محض اسی لیے غائب کی گئی ہے کہ پولیس اسی کو مجرم تصوّر کر کے قاتل کی تلاش چھوڑ دے۔“

دوسری اُلجھن

واپسی پر حمید کو فریدی کا خط ملا۔ اُس نے لکھا تھا۔

"ڈیئر حمید"

"کیا بتاؤں کس مُصیبت میں پھنس گیا۔ یہاں آتے ہی ملیریا میں مبتلا ہونا پڑا۔ ابھی تک بخار ہے، فی الحال سفر کے لائق نہیں۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ میرا افریقی نسل کا یلوڈنگو راستے میں کہیں ٹرین سے لاپتہ ہو گیا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ اُسے نمائش میں شریک کروں۔ سخت پریشانی ہے۔ اُسے

تلاش کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا گیا ہے، تم بھی خیال رکھنا۔ شہناز کا سُراغ ملا یا نہیں، مُجھے اُس کا خیال ہے، لیکن کیا کروں۔ سخت مجبور ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں نے یہاں آ کر بھاری غلطی کی۔۔۔ فریدی۔"

حمید نے خط پڑھ کر بیزاری سے ایک طرف ڈال دیا۔ یلوڈنگو کا معاملہ اب بالکل صاف ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کرنل پرکاش ہے کون۔ اتنی مکّاری اور عیّاری اُس نے آج تک کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی، جتنی کہ اس کرنل پرکاش کے چہرے پر نظر آتی تھی اور شرارت آمیز مُسکراہٹ کتنی خطرناک تھی۔ اُس کی مُسکراہٹ اور اس بلّی کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک میں جس نے کوئی تازہ شکار پکڑا ہو، کوئی مشترک سی چیز محسوس ہوتی تھی اور وہ چیز خون کی پیاس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اُٹھ کر فریدی کی لائبریری میں آیا، چاروں طرف الماریاں ہی الماریاں کتابوں سے بھری نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک الماری کے قریب آ کر رُک گیا۔ کچھ دیر تک کتابوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک کتاب نکالی جس کا نام "جنوبی افریقہ کے کامیاب ہندوستانی" تھا۔

کئی صفحات اُلٹنے کے بعد مطلب کی چیز مل گئی، وہ پڑھنے لگا۔

”کرنل جی پرکاش، سی بی ای۔ جنوبی افریقہ کا کروڑ پتی۔۔۔ متعدّد ہیروں کی کانوں کا حصہ دار ۱۹۱۰ء میں پُراسرار طریقہ پر اپنی تجارت کو فروغ دینے لگا۔ نڈر اور بے باک آدمی ہے۔ کئی بار چیتوں کے شکار میں بُری طرح زخمی ہو چکا ہے۔ درندوں کے شکار کا شوق جنون کی حد رکھتا ہے۔ بہتیرے خونخوار قسم کے کتّے پال رکھے ہیں۔ کتّوں کے متعلّق معلومات میں یدِّ طولیٰ رکھتا ہے۔ گرمیوں کا موسم سوئٹزرلینڈ میں گزارتا ہے۔ زمانۂ جنگ کی خدمات سے متاثر ہو کر سرکارِ انگلشیہ نے سی بی ای کے خطاب سے نوازا۔“

حمید نے معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور صفحہ اُلٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر کرنل پرکاش کی تصویر تھی۔ تصویر کا چہرہ بھی عیّارانہ تاثرات سے عاری نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال حمید کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا کہ کرنل پرکاش رام سنگھ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی فریدی کا خوفناک کتّا یلوڈنگو اُس کی اُلجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخر وہ اس سے اِتنی جلدی مانوس کیسے ہو گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ

اسے اس سے حاصل کس طرح کیا جائے۔ لیکن جلدی ہی اُس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا۔ جب فریدی نے شہناز کی زیادہ پرواہ نہ کی تو پھر وہ اس ذلیل کتّے کی پرواہ کیوں کرے، اس کی قیمت شہناز سے زیادہ نہیں۔

حمید ان خیالات میں اُلجھا ہی ہوا تھا کہ نوکر نے انسپکٹر سنہا کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ سخت متحیّر ہوا۔ آخر اِن حضرات نے آنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ لائبریری سے ڈرائینگ روم میں آیا۔ انسپکٹر سنہا اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھیئے۔۔۔!" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔"

"بھئی دراصل میں آپ کی غلط فہمی دُور کرنے آیا ہوں، اُس وقت آپ ناراض ہو کر چلے آئے تھے اور میں بھی ایک اشد ضروری کام میں مشغول تھا۔ اس لیے آپ کو مطمئن نہ کر سکا۔"

''مطمئن تو آپ مجھے زندگی بھر نہیں کر سکتے جبکہ میں شہناز کی بے گناہی سے اچھی طرح واقف ہوں۔''حمید نے انسپکٹر سنہا کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''فریدی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔''

''ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں۔''حمید نے جواب دیا۔

''کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔''

''جی ہاں۔۔۔ کتّوں کی عالمی نمائش دیکھنے گئے ہیں، وہاں بیمار ہو گئے ہیں۔''

''اس کے باوجود بھی آپ شہناز کی بے گناہی ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔'' انسپکٹر سنہا نے کہا۔

''کیوں۔۔۔اس سے کیا۔''

''تعجّب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔'' سنہا نے کہا۔ ''اگر فریدی صاحب شہناز کو بے گناہ سمجھتے ہوتے تو اس طرح معاملے کو کھٹائی میں ڈال کر تفریح

کرنے نہ چلے جاتے۔"

"یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے۔۔۔ اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آدمیوں سے زیادہ کتّے پسند ہیں۔" حمید نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"یہ بات نہیں حمید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر انہیں شہناز کی بے گناہی کا یقین آجاتا تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"اب ہٹ دھرمی کو کیا کہا جائے۔" انسپکٹر سنہا نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "بہر حال مُجھے اس سے بحث نہیں، میں اُسے مجرم سمجھتا ہوں، اس لیے میں اُسی کے مطابق کام کر رہا ہوں، اور جو کُچھ آپ سمجھتے ہیں اس کے لیے آپ کوشش کرتے رہیے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"آخر اُسے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔" حمید نے کہا۔ "اس کے لیے محض شہناز کا غائب ہو جانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ

مجرموں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کے لیے اُسے غائب کر دیا ہو۔"

"میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا بیوقوف نہیں۔ اس کے لیے میرے پاس بہت ہی پختہ قسم کے ثبوت ہیں اتنا میں سمجھتا ہوں کہ مجرم اس قسم کی چال چل سکتے ہیں۔"

"خیر صاحب۔۔۔ وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں آپ مذاق نہ سمجھئے۔۔۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" انسپکٹر سنہا نے جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "اِسے دیکھئے۔"

حمید نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ تم آج سے باقاعدہ گروہ میں شامل کر لی گئیں۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ پولیس کو تُم پر شک ہو گیا ہے لہٰذا کچھ دِنوں کے لیے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی ٹو آج ایک بجے دِن کتھئی رنگ کی کار پر تمہارے مکان

کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک پر ملنا۔ بقیہ کام وہ دونوں خود کر لیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

پڑھتے پڑھتے حمید کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدّت سے دھڑک رہا تھا۔ جس کی دھمک اسے اپنے سر میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کاغذ سنہا کو واپس کر دیا۔

"بھئی یہ ثبوت بھی کچھ ایسا مستحکم نہیں معلوم ہوتا۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف مجرموں نے اُسے غائب کر دیا ہو اور دوسری طرف پولیس کا شُبہ اور زیادہ مضبوط کرنے کے لیے یہ خط بھی لکھا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں سے ملا۔"

"یہ خط شہناز کے گھر کی تلاشی لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔" سنہا نے کہا۔ "اور رہ گئی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریدی صاحب محض اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے

گئے ہوں یا پھر آپ۔۔۔ امکانات کے تحت تو سب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔!" حمید نے اُکتا کر کہا۔ "اِن سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات تو ایک نہ ایک دِن سامنے آ ہی جائے گی، بہر حال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہناز کو بے گناہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

"آپ اس کے لیے قطعی آزاد ہیں۔" انسپکٹر سنہا ہنس کر بولا۔ "خیالات پر تو پابندی لگائی نہیں جا سکتی۔"

تھوڑی دیر کے بعد سنہا اُٹھ کر چلا گیا۔ حمید ابھی تک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن سنہا کے جاتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واقعی شہناز مُجرم ہے۔۔۔ مگر نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اُسے بہر حال اپنے اور اپنے خاندان کی عزّت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دُور سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ لیکن شہناز کو قریب سے دیکھ کر بھی کبھی اُس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ شہناز جُرم بھی کر سکتی ہے اور پھر ایسا بھیانک اور دل لرزا دینے والا جرم۔ اس کی فطرت میں

انسانیت کا رچاؤ۔۔۔ اُسے کسی ایسے بھیانک کام کی طرف بھی نہیں لے جا سکتا۔
پھر آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیسے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حمید کا
سر چکرانے لگا اور وہ صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر نڈھال سا ہو گیا۔

پُراسرار عورت

حمید کا دِل بُری طرح اُلجھ رہا تھا۔ کبھی وہ سچ مچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور کبھی یہ شک محبّت کی لہر اپنے ساتھ بہالے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو ملا ہوتا تو وہ اسے اتنی بے احتیاطی سے میز کے نیچے نہ ڈال دیتی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شُبہ رفع کرنے کیلئے روپوش ہوگئی۔ ایسی صورت میں تو اُسے یہیں موجود رہنا چاہیے تھا تاکہ پولیس کے شکوک رفع ہو جائیں۔ مگر نہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اُسے محض اس لیے غائب کر دیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کر کے سارا راز اُگلوا نہ لے، مگر ایسی صورت میں بھی

شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور جلا دیتی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اُکتا کر فریدی کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہرحال وہ اس کا ماتحت ٹھہرا۔ اس نے یونہی ایک رسمی ساخط لکھنا شروع کر دیا لیکن یلوڈنگو کا تذکرہ سِوا اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھو جانے پر اُسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلّق بھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں اس نے کیا کِیا، اُس کے متعلّق اُس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے مکمّل ارادہ کر لیا کہ اس مہم کو وہ اکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دِکھا دے گا کہ وہ نرا اُبدھو نہیں ہے۔ آخر اُسے بھی تو ترقّی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح تو شاید اسے زندگی بھر ترقّی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا جھکی ہے۔ کتنی بار چیف انسپکٹری ملی، ٹھکرا دیا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائی جاتی ہے

اور جب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہو جاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ حمید کے اور اُس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہاں سے چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلّق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے۔ حمید جتنا سوچتا جا رہا تھا اس کی طبیعت کی اکتاہٹ بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی آٹھ بجا رہی تھی۔ اُس نے سوچا کیوں نہ آرلکچنو ہی میں چل کر دل بہلایا جائے اور اس طرح شاید کرنل پرکاش کے متعلّق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔ مگر اس کے متعلّق کچھ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ وہ تو قطعی غیر متعلّق آدمی ہے۔ صورت سے خطرناک ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اس واقعہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا خواہ مخواہ وقت برباد کرنا ہے۔

اس نے کپڑے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کار نکال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی چل پڑا۔ آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرلکچنو کی طرف روانہ ہو گیا۔

رقص گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی ناچ شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر

بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے۔ شراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ حمید نے چھچھلتی سی نظر پورے مجمع پر ڈالی۔ ایک میز پر کرنل پرکاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس میز پر تنہا ہی تھا۔ باقی تین کرسیاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میز خالی تھا۔ حمید نے نہ جانے کیوں اپنے لیے وہی جگہ منتخب کی۔ کرنل پرکاش اپنے گردوپیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حمید کو اُسے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اُسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔

حمید اِدھر اُدھر بیٹھی ہوئی عورتوں کو عمداً اِس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوباش قسم کا آدمی ہو۔ دفعتاً اس نے یونہی پیچھے مُڑ کر دیکھا لیڈی سیتارام ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ چپکے سے کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کرنل پرکاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی سیتارام ستائیس اٹھائیس سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہونٹ بہت زیادہ پتلے تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اپنے ہونٹ بھینچ

رکھے ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں بدنما نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی طرح کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کہا اور واپس جانے کے لیے مُڑ گئی۔ کرنل پرکاش چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شرارت آمیز مُسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ لیڈی سیتارام اوپر گیلری میں جانے کے زینے پر چڑھ رہی تھی۔ اس کے جانے کے تین چار منٹ بعد کرنل پرکاش بھی اٹھا۔ اب وہ بھی اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتارام کرنل پرکاش سے اس قسم کی واقفیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتارام اس کے لیے قطعی اجنبی تھے، اور ان دونوں کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ اٹھا لاپرواہی سے ٹہلتا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گیلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکنی میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں جنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب کے دو کھمبوں کے نیچے سے آتی ہوئی لتر پھیلی ہوئی

تھی۔ اوپر آ کر لتر نے اتنا پھیلاؤ اختیار کیا تھا کہ بالکنی کا وہ حصّہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سارجنٹ حمید دوسرے دروازے سے نکل کر لتر کی آڑ میں چھُپ گیا۔ اس طرف اندھیرا ہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچنی دشوار تھیں۔ بہر حال وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سُن سکتا تھا۔

لیڈی سیتارام کہہ رہی تھی۔

"کرنل۔۔۔ تم شاید کوئی جادُوگر ہو۔"

"کیوں۔۔۔ کیوں خیریت تو ہے۔" کرنل پرکاش قہقہہ لگا کر بولا۔

"مجھے بتاؤ کہ میں اپنا زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ اپنے دل سے پوچھو۔" کرنل پرکاش بہت ہی رومانٹک انداز میں بولا۔

"کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔"

”تب تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔“

”تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔“

”کاش میں تمہارے حسن کی تصویر الفاظ میں کھینچ سکتا۔“

”ہٹو بھی۔“لیڈی سیتارام نے شرمیلے انداز میں کہا۔

”لیڈی سیتارام میں سچ کہتا ہوں کہ۔۔۔!“

”دیکھو کرنل تم میرا نام جانتے ہو۔“ وہ پرکاش کی بات کاٹ کر بولی۔ ”مجھے اِس منحوس نام سے مت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“

”اچھا چلو یہی سہی۔۔۔ ہاں تو حسین ریکھا۔۔۔ میں ایک سپاہی قسم کا اکھڑ آدمی ہوں۔ لیکن تمہاری پیاری پیاری شخصیت نے مُجھے بالکل موم بنا دیا ہے۔“

”تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔“لیڈی سیتارام ناز سے بولی۔

”نہیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا

ہوں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصّے میں آئی ہوتیں۔"

"میری ایسی قسمت کہاں تھی۔" لیڈی سیتارام سرد آہ بھر کر بولی۔

"ہاں اور سنو۔۔۔!" کرنل پرکاش بولا۔ "آج شام اِتّفاقاً تمہارے کھوسٹ سے ملاقات ہوگئی۔ مُجھ سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لطف رہے گا۔ جب وہ میرا تعارف تم سے ایک اجنبی کی حیثیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے۔"

"بہت اچھا ہوا ڈیئر کرنل۔۔۔ اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔"

"تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب نصیب ہوا ہے جس کا ثانی دنیا میں نہیں۔"

"اور تم ٹھہرے ہیروں کے تاجر۔۔۔!" لیڈی سیتارام قہقہہ لگا کر بولی۔

کرنل پرکاش ہنسنے لگا۔

"آں یہ کون آ رہا ہے۔" لیڈی سیتا رام چونک کر بولی۔ "میرا بھتیجا سریندر کمار۔۔۔ اچھا کرنل صاحب۔۔۔ اب تم نیچے جاؤ۔۔۔ میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی بننا پڑے گا۔"

"اچھا میں چلا۔۔۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کب ملیں گے۔"

"بہت جلد۔۔۔!" لیڈی سیتارام نے کہا اور ٹہلتی ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک وہ وہاں ٹہلتی رہی پھر وہ بھی نیچے چلی گئی۔ حمید لتر کی آڑ سے نکلا اور پوری بالکنی کا چکّر لیتا ہوا دوسرے زینے سے نیچے اُتر آیا۔ ناچ شروع ہو چکا تھا۔ کرنل پرکاش ایک نو عمر لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک کنارے بیٹھے ہوئے کچھ پی رہے تھے۔ حمید دونوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسامت کا مگر خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو

اس پر بہت زیادہ کھِل رہا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے پر لیڈی سیتا رام اور سریندر اُٹھ کر ٹہلتے ہوئے گیلری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرے لمحے میں دونوں غائب تھے۔ کرنل پرکاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے، وہ ٹہلتا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھنک گیا کہ کرنل پرکاش کی نگاہیں ذرا اِدھر اُدھر ہوں اور وہ زینے پر چڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کرنل پرکاش کے قدم کچھ مضمحل تھے۔ اوہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اُس کے ساتھ ناچنے والی عورت نے شاید اُسے محسوس کر لیا تھا لہٰذا وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرنل پرکاش نے خود اُسے چھوڑ دیا اور لڑکھڑاتا ہوا زینے کی طرف بڑھا۔

حمید متحیّر تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لیڈی سیتا رام نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہوں گے۔ حمید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرنل

پرکاش لڑکھڑاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصّے سے اس کے نتھنے پھُول رہے تھے، نچلا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔

اب پھر وہ اُسی لتر کی آڑ میں چھُپ گیا تھا۔ لیڈی سیتارام اور سریندر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنگلے پر جھکے ہوئے تھے۔

"سریندر ڈارلنگ، میں اب اس طرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔" لیڈی سیتارام بولی۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ دنیا کی نظروں میں اگر ہم چچی بھتیجے رہ کر ہی زندگی کا لطف اٹھائیں تو کیا حرج ہے۔" سریندر نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔" لیڈی سیتارام نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں بُرائی کیا ہے۔" سریندر نے کہا۔

"میں اس بوڑھے کھوسٹ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" لیڈی سیتارام نے کہا۔

"یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہو، میں کرنے کے لیے تیّار ہوں۔" سریندر بولا۔

"آؤ ہم تم کہیں دُور چلے جائیں، بہت دُور۔۔۔ جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

"ارے نہیں۔۔۔ وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔" سریندر ہنس کر بولا۔

"شریر کہیں کے۔" لیڈی سیتارام نے کہا اور سریندر "اواو" کرتا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔

غالباً لیڈی سیتارام نے اُس کے چُٹکی کاٹ لی تھی۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور چُپکے سے گیلری میں آ گیا۔

گیارہ بجے رات کو جب وہ گھر واپس آ رہا تھا تو اُس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا تھا۔ عجیب و غریب عورت ہے، ایک طرف تو بھتیجے کو پھانس رکھا ہے اور دوسری طرف کرنل پرکاش کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ کرنل بڑے غصّے میں نیچے

اُترا تھا، غالباً اُس نے بھی ان کی گفتگو سُنی ہو گی۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر الجھنے لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہناز کے واقعے سے کیا تعلّق۔ وہ آخر ان کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتارام ہی نے تو پولیس کو شہناز کی طرف سے شبہے میں مبتلا کیا تھا اور یہ بھی تو رام سنگھ کے ساتھ ناچی تھی۔ یہ ایک فاحشہ عورت ہے اور رام سنگھ ایسی عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ یہاں تک تو کڑیاں ملتی ہیں لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لیڈی سیتارام ایک دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ مفلس تو ہے نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم وراہ ہو۔ عجیب معمّہ ہے۔ ایسی پُراسرار عورت آج تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کم بخت چہرہ اتنا پُروقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذلیل حرکتوں کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزّت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے کسی قدر گِری ہوئی ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہناز بھی ایسی ہی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے ساتھ ناچتی پھرتی ہے۔ اُسے اپنی محبّت پر نفرت کی ہلکی سی تہہ چڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

سرسیتارام

دوسرے دِن حمید سخت اُلجھن میں تھا کہ کس طرح سرسیتارام تک رسائی حاصل کرے۔

اسے اس دلچسپ ڈرامے کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات نے اس کی ساری توجّہ منعطف کرالی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیڈی سیتارام اور کرنل پرکاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں سرسیتا رام کے سامنے اجنبیوں کی طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دِن بھر تمام تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سرسیتارام کے یہاں پہنچ جائے، جب

کہ کرنل پرکاش بھی یہاں موجود ہو۔ آفس میں بھی اس کا دل نہ لگا اور آفس بند ہونے کے وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، جیسے جیسے شام نزدیک آتی جارہی تھی اس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر لیٹا خیالات میں گم تھا کہ نوکر نے ایک ملاقاتی کارڈلا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ڈاکٹر محمود۔۔۔!" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"انہیں اندر بھیج دو۔" حمید اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آداب عرض ہے حمید صاحب۔" ڈاکٹر محمود نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا جامہ زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے صاف تھا۔ اس کے فریدی کے ساتھ تعلقات بہت اچھّے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ جانوروں کے ہسپتال کا انچارج تھا اور کتّوں کے امراض کا ماہر۔ وہ اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر اونچی سوسائٹی میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خود نمائی جیسی بُری

عادت کا شکار ہو گیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے طبقے کے لوگوں میں بیٹھ کر ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مقصد محض یہ جتانا ہوتا ہے کہ اونچی سوسائیٹیوں میں ان کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقاتی کارڈ دیکھتے ہی حمید کو اُلجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کرنا وہ محض تضیع اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں نوّے فیصدی جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے مبالغے کی سرحدوں سے ٹکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اُونچے طبقے کی عورتوں کی باتیں کیا کرتا تھا، مثلاً فلاں جج کی بیوی نے اسے یوں مُسکرا کر دیکھا، فلاں سیٹھ کی بیوی اس کے ساتھ بھاگ جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ فلاں کرنل کی بیوہ بہن اس پر بُری طرح لٹّو ہو رہی ہے۔ فلاں ایڈووکیٹ کی لڑکی تو اس کے لیے زہر تک کھا لینے کے لیے تیّار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی بیوی کئی بچّے جن چکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید حوریں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔

حمید ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مُسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ مخواہ گرم جوشی کا مظاہر کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ "کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بھئی حمید صاحب کیا بتاؤں۔۔۔ معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبّت ہو گئی ہے، حالت یہ ہے کہ اگر زیادہ دِنوں تک آپ لوگوں سے نہ ملوں تو عجیب قسم کی اُلجھن ہونے لگتی ہے۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"محبت ہے آپ کی۔۔۔!" حمید مُسکرا کر بولا۔ "وہ دانستہ طور پر زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا تاکہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔"

"اس وقت سر سیتارام کے یہاں ٹی پارٹی میں جارہا تھا، سوچا لگے ہاتھ آپ لوگوں سے بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہاں۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔ "بھئی کیا بتاؤں میں تو اس ٹی پارٹی کو محض تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں یہ لوگ کسی

طرح مانتے ہی نہیں۔ اب آج ہی کا واقعہ لے لیجئے سر سیتارام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے ٹالنے کے لیے جواب لکھ دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آگئے ہیں، لیکن صاحب بھلا سر سیتارام کہاں ماننے لگے، فوراً ہی کہلا بھیجا کہ مہمان سمیت آجاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے گا۔ جا کر کہوں گا کہ مہمان کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لیے وہ نہ آسکے۔"

حمید کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائے حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہمان والی بات سو فیصدی گپ ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہمان بن کر چلا جاؤں گا۔"

"ارے آپ کہاں۔۔۔ آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے جھینپی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اور اگر کسی نے پہچان لیا تو۔۔۔!" ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا۔ "بڑی شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔۔۔!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ارے صاحب میں بھیس بدل کر چلوں گا۔"

"تب تو آپ واقعی مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بخدا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ مجھے سر سیتا رام کے کتّوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول بہانہ ہاتھ نہ آ سکا۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپ کو اُن سے ملاؤں گا۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں۔۔۔ آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس نہیں ہے۔ اس لیے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کب اور

کس وقت پھر مصروف ہونا پڑے۔"

"مگر۔۔۔!" ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔۔۔ میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ کو پریشانی کس بات کی ہے جب کہ سیتارام آپ کو مہمان سمیت مدعو کر چکے ہیں۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیس بدلنے پر پہچان لیے گئے تو بڑی خرابی ہوگی۔" ڈاکٹر محمود نے زِچ ہو کر کہا۔

"اس کا ذمّہ لیتا ہوں۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اگر کوئی پہچان لے تو میں مبلغ ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، کہیے تو اس کے لیے تحریر دے دوں۔"

ڈاکٹر محمود سخت اُلجھن میں پڑ گیا۔ وہ ٹی پارٹی میں مدعو ضرور تھا۔ لیکن مہمان والی بات اس نے محض اپنی لاپروائی اور اُونچے طبقے کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ

ہونے کے اظہار کے لیے یوں ہی کہہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔۔۔ مجبوراً اُسے حمید کی بات ماننی پڑی۔ حمید اُسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود چلنے کی تیّاری کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ خواہ مخواہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے کتراتا تھا جن سے اونچی سوسائٹی میں اس کی سُبکی ہو۔ کبھی بِن بلائے مہمان کو اپنے ساتھ ایسی جگہ لے جانا سراسر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد ان باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا اُلجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان رئیس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔ ”السلام علیکم۔“

ڈاکٹر محمود چونک کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والے کی ظاہری وجاہت اُسے بُری طرح مرعوب کر رہی تھی۔

”کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔“ آنے والے نے بے تکلّفی سے بیٹھتے

ہوئے کہا۔

”جی نہیں۔۔۔!وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔“ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔

”آپ کی تعریف۔۔۔!“ اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے ہسپتال کا انچارج ہوں۔“

”بہت خوب۔۔۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔

”آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بداخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔“ اجنبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ڈاکٹر محمود گڑبڑا کر ہکلانے لگا۔

”گھبراؤ نہیں پیارے ڈاکٹر۔۔۔!“ اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔”جب تم مجھے نہیں پہچان سکے تو پھر کون مائی کالال پہچان سکے گا؟“

"ارے صاحب۔۔۔!" ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ "خدا کی قسم کمال کر دیا۔"

"اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لیجئے میری تعریف یہ ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "خان مجاہد مرزا۔۔۔ اودھ کا بہت بڑا تعلق دار۔۔۔ کیا سمجھے اور کتّوں کا شوقین۔"

"سمجھ گیا۔۔۔ اچھی طرح سمجھ گیا۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔ دونوں کار پر بیٹھ کر سیتارام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوٹھی کے پائیں باغ میں ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی، جس پر دعوت کا سامان سلیقے سے چُنا ہوا تھا۔ سر سیتارام، لیڈی سیتارام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ کرنل پرکاش ابھی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹر محمود اور حمید کے پہنچنے پر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتارام نے بُرا سا منہ بنایا۔ سر سیتارام کا موڈ بھی کچھ خراب ہو گیا۔

"سر سیتارام آپ سے ملئے۔" ڈاکٹر محمود نے مُسکرا کر کہا۔ "آپ ہیں میرے

دوست خان بہادر مجاہد مرزا اودھ کے بہت بڑے تعلق دار۔۔۔ آپ کا سلسلہ نصب واجد علی شاہ مرحوم سے ملتا ہے۔"

"اوہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سر سیتا رام نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔۔۔" حمید نے کہا۔ "حالانکہ مجھے اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آرہے تھے میں نے سوچا لگے ہاتھ آپ سے بھی مل لوں۔"

"ارے خان بہادر صاحب۔۔۔ یہ خانہ بے تکلّف ہے۔" سر سیتا رام نے کہا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ اس طرح آپ سے نیاز حاصل ہوا، مجھے خاندانی آدمیوں سے مل کر بے حد مسرت ہوتی ہے۔"

"خلوص ہے آپ کا۔" حمید نے مُسکرا کہا۔ "دراصل مجھے جو چیز یہاں تک کھینچ کر لائی ہے وہ آپ کے کتّے ہیں۔ مجھے بھی کتّوں کا شوق ہے۔"

”تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔“ سر سیتارام نے بچّوں کی طرح ہنستے ہوئے کہا اور لیڈی سیتارام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے۔ سر سیتارام اور حمید میں کتّوں کے متعلّق ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتارام کے کتّا خانہ کی سیر کی جائے گی۔

تھوڑی دیر کے بعد کرنل پرکاش بھی آ گیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر آ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سر سیتارام زیادہ گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کرنے کے لیے بڑھے۔

”آیئے آیئے کرنل صاحب۔۔۔ ہم سب بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔“

”شکریہ، شکریہ۔“ کرنل پرکاش مُسکراتا ہوا بولا۔

”ان سے ملئے۔“ سر سیتارام نے تعارف کرانا شروع کیا۔ ”ریکھا، میری بیوی۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ کرنل پرکاش نے ہاتھ ملاتے وقت قدرے جھک کر کہا۔

لیڈی سیتارام کے ماتھے پر پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وہ ہاتھ ملا کر زبردستی مُسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد فرداً فرداً سب سے تعارف ہوا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرنل پرکاش کی نظر بار بار اُس پر پڑ رہی ہے۔ وہ کچھ گھبر اسا گیا۔ لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مُسکرا مُسکرا کر باتیں کرنے لگا۔ لیڈی سیتارام بدستور خاموش تھی۔ غالباً سر سیتارام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔ لہٰذا ایک موقع پر بے اختیار کہہ اٹھے۔ ”کرنل صاحب ریکھا کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنبیوں سے وہ کچھ شرماتی بھی ہے۔“

”خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔“ کرنل پرکاش نے مُسکرا کر کہا۔ ”کم از کم ہر شریف عورت میں یہ صفت تو ہونی ہی چاہیے۔ کیا خیال ہے نوّاب صاحب!“

”بجا ارشاد ہوا۔۔۔!“ حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سر سیتارام سب کو لے کر کتّا خانے کی طرف چلے گئے۔ کرنل پرکاش اور حمید نے کتّوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کیے۔ ایک کتّے کی نسل کے بارے میں دونوں میں بحث ہو گئی۔ دونوں کسی طرح چُپ ہونے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ حمید کو اپنی معلومات پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ وہ بھی فریدی جیسے ماہر کا صحبت یافتہ تھا۔ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر آخر کار سر سیتارام کو بیچ بچاؤ کرانا پڑا۔

سب کتّوں کو دیکھ لینے کے بعد وہ پھر باغ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر آ بیٹھے۔

"اچھا سر سیتارام۔۔۔ اب میں اجازت چاہوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔"

"ذرا مجھے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملنا ہے۔"

"اب تو برابر ملاقات ہوتی رہے گی نا۔" سر سیتا رام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غنیمت ہے۔۔۔ یہاں اور کوئی اچھی

سوسائٹی ابھی تک ملی ہی نہیں۔"

سرسیتارام نے دانت نکال دیئے۔

کرنل پرکاش کے رخصت ہو جانے پر بقیہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اُٹھ گئے۔

"جب بھی یہاں تشریف لائیے گا غریب خانے کو نہ بھولیے گا۔" سرسیتارام نے حمید سے کہا۔

"ضرور ضرور۔۔۔ آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کبھی لکھنؤ تشریف لائیے۔"

"کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ اُلجھن سی محسوس ہوتی ہے۔"

حمید یوں ہی خواہ مخواہ ہنسنے لگا اور اس کی نگاہ لیڈی سیتارام کی طرف اُٹھ گئی، جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

بُرے پھنسے

حمید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ وہاں نہ جا سکے گا۔ اُسے فریدی کی ہدایت یاد آگئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ کہا ہوگا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو خواہ مخواہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکّر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے۔ اب وہ پھر کرنل پرکاش کے پیچھے لگ گیا تھا۔ دو تین دِن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کارآمد

بات نہیں معلوم ہو سکی۔ ان تین چار دِنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرنل پر کاش باقاعدہ طور پر کھُلم کھلّا ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ لیڈی سیتا رام اب آرلکچنو میں سریندر کے سامنے بھی کرنل پر کاش کے ساتھ ناچ سکتی تھی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ سریندر کو کرنل پر کاش اور لیڈی سیتا رام کی بے تکلّفی قطعی پسند نہیں۔ حمید کو حیرت تو اِس بات پر تھی کہ کرنل پر کاش لیڈی سیتا رام اور سریندر کے تعلقات کے بارے میں جانتے ہوئے بھی کیوں اس پر بُری طرح ریجھا ہوا ہے۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش فریدی یہاں موجود ہوتا۔ اُسے اس درمیان فریدی سے تھوڑی چِڑ ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کا سارا معاملہ حل ہو گیا ہوتا۔ اس کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ اس نے فریدی کو سارے حالات لکھ دیئے اس طرح ممکن تھا کہ وہ عجیب و غریب معمّے کو حل کرنے کے شوق میں بیماری ہی کی حالت میں چلا آتا۔

ان دِنوں اسے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اسے اس کی بے گناہی کا پورا

پورا یقین تھا۔ ویسے کبھی کبھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتارام کے
عادات و اطوار کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے بد دِل ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ
کیفیّت بالکل عارضی رہتی تھی۔ وہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری
عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق و محبّت کے معاملے میں وہ
ایک کھلنڈرا اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فرہاد قسم کی محبّت کا
دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کئی عشق کیے تھے لیکن وہ
صرف فلمی گانوں اور بے تُکی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویسے وہ
فریدی کو چڑانے کے لیے بھی اکثر ایک آدھ عشق کر بیٹھتا تھا۔ ایسی کہانیوں کے
محبوب عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔ شہناز سے بھی اس کی محض دوستی تھی لیکن
اس درمیان میں اسے اُس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی تھی اور یہ ہمدردی آہستہ
آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی جارہی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے
اپنی کوئی رات تارے گِن گِن کر گزاری ہو یا محض آہیں بھرنا شعار بنا لیا ہو۔
دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا تھا۔ آرلکچنو میں جا کر ایک آدھ راؤنڈ ناچتا بھی

تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہناز کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔ آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے سب سے پہلے شہناز کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر ریلو ڈنگو کا نوحہ تھا اور آخر میں اپنی بیماری کا حال لکھا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ نقّاہت بہت زیادہ تھی اس لیے سفر کرنے کی ہمّت نہیں کر سکتا تھا۔ آخیر میں اس نے پھر تاکید لکھی تھی کہ اُسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط پڑھ کر حمید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے۔ وہ محبّت جاگ اٹھی جو اُسے فریدی سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبّت تھی جتنی کہ اپنے بڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی نے اُسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہناز کے سلسلے میں تفتیش میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے کر بمبئ ضرور جاتا اور جس طرح بھی بن پڑتا فریدی کو وہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ناشتہ کرنے کے بعد حمید نے فریدی کو خط لکھنا شروع کیا۔ سارے حالات مفصّل

لکھے، یلو ڈنگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اُس کی وجہ سے اسے اتنی باتیں معلوم ہو گئیں اور وہ بہت جلد اسے کرنل پر کاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔
خط ختم کر چکنے کے بعد وہ سو گیا۔

آج رات کو آر لکچنو میں خاص پروگرام تھا۔ ٹکٹ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ تر صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصّہ لے سکتے تھے۔ کرنل پر کاش کی دریافت کے بعد سے حمید روزانہ آر لکچنو جاتا تھا اس لیے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل دِن میں سونا اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔
تقریباً آٹھ بجے وہ سو کر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ کسل مند ہو گئی تھی۔ لیکن کافی کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و توانائی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور آر لکچنو کی طرف روانہ ہو گیا۔

آر لکچنو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف قہقہوں کے فوّارے اُچھل رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں کرنل پر کاش اور لیڈی سیتا

رام کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حمید اُوپر گیلری میں گیا۔ بالکنی بھی خالی تھی۔ پھر ٹہلتا ہوا کرنل پرکاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک میز خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرنل پرکاش کے لیے پہلے ہی سے ”مخصوص“ کر دی گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو اینگلو انڈین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بقیہ دو کرسیاں خالی تھیں، وہ اُن کے قریب گیا۔

”اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔“ حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور۔۔۔!" دونوں بیک وقت بولیں۔

حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عمدہ قسم کے سیاہ سوٹ میں وہ کوئی ذی حیثیت اینگلو انڈین معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اُسے اینگلو انڈین سمجھی تھیں۔ حمید نے بیٹھتے ہی ان پر رُعب ڈالنے کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا آرڈر دیا۔

”آپ ہم لوگوں کے لیے تکلیف نہ کیجئے۔“لڑکیوں میں سے ایک بولی۔

”واہ یہ کیسے مُمکن ہے۔“حمید نے مُسکرا کر کہا۔

”معاف کیجئے گا ہم لوگ ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے، جنہیں ہم جانتے نہ ہوں۔“

”تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔۔۔ اب آپ مجھے جان جائیں گی۔ مجھے آرتھر کہتے ہیں، آپ کے شہر میں نَووارد ہوں۔“

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

”یہ جولیا ہے اور میں لِزی۔۔۔ ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔“

”کتنے پیارے ہیں آپ دونوں کے نام۔۔۔ جولیا۔۔۔ لِزی۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے کانوں میں شہد ٹپکا دیا ہو۔“

”تو آپ شاعر بھی ہیں۔“جولیا نے مُسکرا کر کہا۔

”کاش میں شاعر ہوتا، جولیا۔۔۔لِزی۔۔۔لِزی۔۔۔جولیا۔۔۔!“

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیزیں لے کر آ گیا۔ تینوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد ناچ کے لیے موسیقی شروع ہو گئی۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناچ کے لیے کس سے درخواست کروں۔“ حمید نے کہا۔

”ہم دونوں باری باری سے ناچیں گے۔“ جولیا نے کہا اور لِزی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دونوں آہستہ آہستہ جنبش کرتے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔

”تم نے بہت زیادہ پی رکھی ہے۔“ لِزی مُسکرا کر بولی۔

”میں نے۔۔۔ نہیں ایک قطرہ بھی نہیں۔“

”کون سی پیتے ہو۔“

"اسکاچ۔۔۔!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میں نے اتوار کے دِن نہ پینے سے قسم کھا رکھی ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"میں تھوڑا سا مذہبی آدمی بھی ہوں۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔"

"اچھی ہو یا بُری۔۔۔ اصول بہر حال اصول ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کون سی پیتی ہو۔"

"شیری۔۔۔!"

"اچھا تو میں تمہیں شیری ضرور پلاؤں گا۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"ایک بار ایک بڑھیا نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

لِزی کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔"

"باتیں خوب بنا لیتے ہو۔"

"میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بِکنے کے لیے بازار میں بھیج دیتا ہوں۔"

"تم ضرور پیے ہوئے ہو۔"

"تمہاری ستاروں سے زیادہ چمکدار آنکھوں کی قسم میں نشے میں نہیں ہوں۔"

"خیر ہو گا۔۔۔تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔"

دفعتاً حمید کی نظریں اُس میز کی طرف اُٹھ گئیں جو کرنل پرکاش کے لیے مخصوص تھی۔ شاید کرنل پرکاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی ابھی آکر بیٹھے

تھے۔ لیڈی سیتا رام اس وقت بہت زیادہ نچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر سستانے کے بعد کرنل پرکاش اور لیڈی سیتارام ناچنے کے لیے تیّار ہو گئے۔

حمید اور لِزی کئی بار ناچتے ہوئے کرنل پرکاش اور لیڈی سیتارام کے قریب سے گزرے۔ لیڈی سیتارام شراب کے نشے میں بدمست تھی۔

رقص کی موسیقی رفتہ رفتہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ کہ اچانک پورے ہال میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ شاید فیوز اُڑ گیا تھا۔ اندھیرے میں عجیب قسم کا ہیجان برپا ہو گیا۔ دفعتاً ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ ارے چھوڑو۔۔۔ میرا ہار۔۔۔ میرا ہار!" وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کئی تیز قسم کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے بعد پھر روشنی ہو گئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی۔ "میرا ہار میرا ہار" ابھی تک چیخے جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گِرد اکٹھا ہو گئے۔

"کسی نے میرا ہیروں کا ہار اُتار لیا۔۔۔!" وہ چیخ کر بولی۔

اتنے میں منیجر بھی آ گیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مقفّل کرا دیے۔

"خواتین و حضرات!" وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کسی بدمعاش نے لیڈی اقبال کا ہار چرا لیا۔ مجبوراً مُجھے اس وقت تک کے لیے سب دروازے مقفّل کرا دینے پڑے جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کارروائی نہ شروع کر دے۔ اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ بالکل ٹھیک ہے۔" بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

کچھ دیر بعد پولیس آ گئی۔ ایک سِرے سے سب کی تلاشی شروع ہو گئی۔ تلاشی لینے والوں میں انسپکٹر جگ دیش بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اُٹھا دیے۔

"ارے آپ۔۔۔" جگ دیش ٹھٹک کر بولا۔ "کیوں مذاق کرتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو۔۔۔ میری تلاشی بھی لیتے جاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

جگ دیش بھی ٹھٹک گیا۔

"جلدی کرو۔۔۔ ہچکچاؤ نہیں۔۔۔ مصلحت یہی ہے اور میرے لیے بالکل اجنبی بنے رہو۔" جگ دیش نے حمید کی بھی تلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حمید خود بھی اپنی تیز نظروں سے برابر کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین آ گیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود نہیں۔ کیونکہ عورت کے چیخنے کے دو تین منٹ بعد تک ہال میں اندھیرا رہا تھا۔ اس وقفہ میں چور نہایت آسانی سے باہر جا سکتا تھا۔ اس وقت کی تلاشی محض رسمی کارروائی سمجھ رہا تھا۔

تلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر پولیس والوں نے دروازے کھلوا دیے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں بالکل سنّاٹا تھا۔ صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو آرلکچنو میں مُستقل طور پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتارام اور سریندر بھی ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی

ایک میز پر حمید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک منیجر سے اُلجھی ہوئی تھی۔ منیجر غریب بُری طرح بدحواس تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنامی سے نہیں بچا سکتی تھی۔

"اب چلنا چاہیے۔" لیڈی سیتارام بولی۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "کچھ دیر چل کر میرے کمرے میں بیٹھئے پھر چلی جایئے گا۔۔۔ کیوں سریندر صاحب۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سریندر نے کہا۔

تینوں اُٹھ کر زینوں کی طرف بڑھے۔

حمید اُن کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کرنل پرکاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہو گیا تھا جب لیڈی سیتارام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرنل پرکاش کا رقیب۔ اس وقت ان کا

پیچھا کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کرنل پرکاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اُٹھا زینے طے کر کے وہ اوپر آیا۔ کرنل پرکاش کے کمروں کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ جسے قدِّ آدم دیواروں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس طرح یہ حصّہ ہوٹل بقیہ کے حصّوں سے بالکل الگ ہو گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اِس وقت اِدھر کوئی نہیں آ سکتا۔ اُس نے اپنی آنکھ دروازے کی کنجی کے سوراخ سے لگا دی۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرنل پرکاش ٹہل رہا تھا۔

"میں اس وقت آپ لوگوں کو اپنا ایک کرتب دِکھانا چاہتا ہوں۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رُک کر بولا۔ سریندر اور لیڈی سیتا رام اُسے تعجّب سے دیکھنے لگے۔

"یہ دیکھئے۔۔۔ یہ رہا۔۔۔ لیڈی اقبال کا ہار۔"

"ارے۔۔۔!" کہہ کر لیڈی سیتا رام اور سریندر کھڑے ہو گئے۔

کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں آپ کو اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔" سریندر نے تیز لہجہ میں کہا۔

"اوہ میرے شیر۔۔۔!" کرنل پرکاش طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم کسی سے کم ہو۔"

"کیا مطلب۔۔۔!" سریندر جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"مطلب صاف ہے ذرا اسے ملاحظہ فرمایئے۔" کرنل پرکاش نے ایک کاغذ نکال کر سریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سریندر کاغذ لے کر پڑھنے لگا۔ اس کی پیشانی سے پسینے کی بوندیں ڈھلکنے لگیں، اس نے کاغذ پھاڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرنل پرکاش کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خبردار۔۔۔ اِدھر لاؤ، ورنہ بھیجا اُڑا دوں گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم غلط

سمجھے۔ میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

سریندر نے کاغذ لوٹا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک وہ گونگی ہو گئی ہو۔ کبھی وہ سریندر کی طرف دیکھتی اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں اس کاغذ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" سریندر بدقّتِ تمام بولا۔

"خیر تم ابھی بچّے ہو۔۔۔ مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کی طرف۔ میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔" کرنل پرکاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کِس لیے آیا ہوں، یہ تینوں ہار میرے ہی ہیں اور یہ دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہار کی اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔ ہاں تو یہ ہار میری تجوری سے چُرائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک اِن کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ آخر مجھے پتہ چلا کہ تینوں ہار اس ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک اِدھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہو ہی گیا کہ تینوں ہار اِسی شہر میں فروخت کئے گئے ہیں۔ ایک تو میں نے حاصل کر ہی لیا۔ باقی رہے دو ہار۔۔۔ ان کے متعلّق کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ کس کے قبضے میں ہیں۔ بہر حال میں جس معاملے میں تم سے سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم دونوں مجھے یہاں کے بڑے آدمیوں سے ملاؤ۔ میں اپنے ہار حاصل کر کے واپس چلا جاؤں گا اور ایک بہادر کی طرح وعدہ کرتا ہوں کہ تُم لوگوں کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔“

لیڈی سیتا رام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میرا دوستی کا ہاتھ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔" کرنل پرکاش پھر بولا۔ "تم کبھی یہاں اپنے لیے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلّفی کے ساتھ افریقہ آ سکتے ہو۔ میں ہمیشہ تمہیں اپنا ہی سمجھوں گا۔ تم لوگ ابھی مجھ سے واقف نہیں۔ میں تمہیں ایک رات میں کروڑ پتی بنا سکتا ہوں۔۔۔ بولو کیا کہتے ہو۔ شاباش۔۔۔ مجھے تم سے یہی اُمّید تھی۔۔۔ بغیر ایک دوسرے کے کام آئے۔۔۔ زندہ رہنا بے کار ہے۔"

کرنل پرکاش خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو۔ اچانک وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔۔۔ اور دروازہ کھول دیا۔ حمید سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کرنل پرکاش کا ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔

"خبردار شور نہ کرنا۔۔۔ ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔" کرنل پرکاش نے حمید کو کمرے کے اندر دھکیل کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

لیڈی سیتارام اور سریندر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون ہے۔۔۔؟" دونوں بے ساختہ بولے۔

حمید بے بسی سے فرش پر پڑا کرنل پرکاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے ابے تو۔۔۔!" کرنل پرکاش گرج کر بولا۔

"تمیز سے بات کرو۔" حمید اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا جی۔۔۔ سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو۔۔۔!"

"اگر میں نہ بتاؤں تو۔"

"میرا ایک کارتوس خواہ مخواہ خراب ہو گا۔۔۔" کرنل پرکاش بولا۔ اُس کے لہجے میں سفاکی اور درندگی محسوس ہو رہی تھی۔

حمید لرز اٹھا۔

"جانتے ہو کرنل پرکاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔" کرنل نے

کہا۔ ”خیریت چاہتے ہو تو سیدھی طرح بتادو کہ تم کون ہو۔“

”تم ذرا گولی چلا کر دیکھو۔“ حمید جی کڑا کر کے بولا۔ ”کرنل پرکاش تم نے شاید ابھی تک کسی برابر والے سے ٹکّر نہیں لی۔

”واہ رے میری مینڈکی۔“ کرنل پرکاش نے کہا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ورنہ میں ابھی تم سے اُگلوالیتا۔۔۔ خیر پھر سہی۔“

کرنل پرکاش نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر حمید کے سر پر دے مارا۔۔۔ حمید تیورا کر گِر پڑا۔ اس نے دو تین رول اور رسید کیے۔ حمید بے ہوش ہو چکا تھا۔

”دیکھا تم نے۔۔۔!“ کرنل دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”اس طرح لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ کون ہے۔ شکر ہے کہ میں نے بات کی رو میں تمہارے راز پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ مشکوک ضرور ہو گیا ہو گا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ کون ہے، ورنہ میں اس کو اسی وقت ٹھکانے لگا دیتا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِسے رکھا کہاں جائے۔“

"اس کا انتظام میں کروں گی۔" لیڈی سیتارام جلدی سے بولی۔ "لیکن اِسے یہاں سے کِس طرح لے جایا جائے گا۔"

"نہایت آسانی سے۔۔۔ یہ میں کر لوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا اور حمید پر جھُک گیا۔ حمید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرنل پرکاش نے زخم صاف کر کے پٹّی باندھ دی۔

"سریندر آؤ۔۔۔ اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔" کرنل نے کہا۔

"تو کیا اِسی طرح نیچے لے جائیں گے۔" لیڈی سیتارام حیرت سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ اسی طرح۔۔۔ تم گھبراؤ نہیں۔۔۔ تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔"

حمید کو ایک طرف سے سریندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرنل پرکاش نے اور اسے سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اُتر کر وہ ہال سے گزر رہے تھے کہ منیجر لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیوں۔۔۔کرنل صاحب کیا بات ہے۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں۔۔۔ آج کل کے لونڈوں کے جسم میں سکت نہیں اور پینے پر آئیں گے تو قرابے کے قرابے صاف۔۔۔ صاحبزادے نے وہ اُچھل کود مچائی کہ سر ہی پھوڑ بیٹھے۔ اب انہیں اِن کے گھر پھینکنے جا رہا ہوں۔ منع کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پئیو۔۔۔ مگر کون سُنتا ہے۔"

منیجر مُسکرا کر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"کیوں سریندر کیسی رہی۔" کرنل پرکاش کار میں بیٹھ کر بولا۔

"مانتا ہوں استاد۔۔۔!"

"میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے۔۔۔ مجھے کرنل پرکاش کہتے ہیں۔" کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھیرتی ہوئی تیزی سے سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

پریم کہانی

حمید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر بُری طرح دکھ رہا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے نقّاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے اِدھر اُدھر پیر چلائے۔ وہ ایک چٹائی پر پڑا تھا، تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھورتا رہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن میں ناچنے لگے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کہیں پر قید ہے۔ اس نے کرنل پرکاش کا راز معلوم کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ اُسے آزاد کیوں چھوڑنے لگا۔

آخر لیڈی سیتا رام وغیرہ کا راز کیا تھا، جس کی طرف کرنل پر کاش نے اشارہ کیا تھا۔ کہیں یہ رام سنگھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرنل پر کاش بھی انتہائی سفّاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہوتی جارہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ سوتا رہا۔

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم و لطیف سانس اس کے چہرے کو چھو رہی ہو۔ کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان میں مرچیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم نرم انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھیں۔

"حمید صاحب۔" کسی نے آہستہ سے پکارا۔

وہ چونک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے

بے تحاشہ آنکھیں کھول دیں اور انتہائی نقاّہت کے باوجود بھی وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

"ارے تم۔۔۔ شہناز۔۔۔!" وہ خوشی اور تعجّب کے ملے جلے لہجے میں چیخا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کا سُرخ سفید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر سیاہی کی ہلکی سی تہہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

"یہ آپ کے سر میں کیا ہوا۔۔۔ آپ کے کوٹ پر خون کے دھبّے کیسے ہیں۔" شہناز ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔۔۔" حمید نے کہا۔ "مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی بتا سکوں۔ میں تمہارے متعلّق معلومات کرنے کے لیے بے تاب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں کیا

کروں۔"

"سچ۔۔۔!" حمید نے ایک نقاہت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر لیٹ گیا۔ شہناز نے اپنا دوپٹہ تہہ کر کے اُس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے قطرے گالوں پر ڈھلک آئے۔

"تم رو رہی ہو پگلی کہیں کی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "میں تمھیں پانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔۔۔پالیا۔۔۔اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔"

شہناز ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔

"تو میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں۔۔۔میں اپنے دل کو اس وقت بہت زیادہ کمزور محسوس کر رہا ہوں۔"

شہناز نے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع ہی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں۔۔۔
جب تمہارا وارنٹ گرفتاری نکلا تھا تو میں انسپکٹر سنہا سے لڑ گیا تھا۔"

"وارنٹ گرفتاری۔۔۔!" شہناز چونک کر بولی۔ "وہ کس لیے۔"

"تمہارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا
جس میں کسی گروہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا
تعلّق کسی گروہ سے ہے۔"

"اب قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" حمید نے کہا۔ "تمہاری بے گناہی
سورج کی طرح روشن ہے۔ اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ تم کس کی قید میں ہو۔"

"یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتّہ مجھے قید کرنے والے مُجھ پر مہربان ضرور
ہیں۔۔۔ انہوں نے مجھے بھوکوں نہیں مارا۔"

"اچھاتو کیا کوئی کھانا لے آتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔اس سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک دراڑ سی پیدا ہو جاتی ہے اور اُسی سے کھانا اندر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جب میں برتن اِس دراڑ سے باہر نکال دیتی ہوں تو دراڑ خود بخود بند ہو جاتی ہے۔"

اب حمید نے لیٹے ہی لیٹے اس جگہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا ایک طرف بڑی سی میز اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ تہہ خانہ ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے، جن کے ذریعہ تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شیشے اس قدر دھندلے تھے کہ اس کے پار کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس پورے کمرے میں باہر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ نظر آرہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں بنی ہوئی کوٹھڑی کا تھا۔

"کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

”نہیں غسل خانہ ہے۔“

”تو اس کا مطلب کہ یہ کمرہ نہیں ہمارا مقبرہ ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”ذرا ہاتھ پاؤں میں کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔“

اتنے میں سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک کھٹکے کے ساتھ دو بالشت چوڑی دراڑ پیدا ہو گئی جس سے ایک کشتی جس میں ناشتہ تھا کمرے کے اندر کھسکا دی گئی۔ شہناز نے بڑھ کر کشتی اٹھالی۔ حمید اس دراڑ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ کی باقاعدہ حفاظت کی جاتی ہو گی۔ حمید خیالات میں اُلجھتا رہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے دو پیالیاں چائے کی تیّار کیں۔ حمید کو قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کُچھ نہ کُچھ کھانا ہی پڑا۔ شہناز نے برتن اُسی دراڑ سے واپس کر دیے۔

”کل تک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میں اپنے گھر ہی میں بیٹھی ہوں۔“ شہناز نے کہا۔

”خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہو گی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام عقل مندی کا کیا ہے۔“

”وہ کیا۔۔۔؟“

”یہی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مفصّل حالات لکھ دیے تھے۔“

”تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔“

”نہیں۔۔۔ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔“ حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے لے کر آخیر تک شہناز کو سارے واقعات بتادیئے۔

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ لیڈی سیتارام کی قید میں ہوں۔“ شہناز نے حیرت سے کہا۔

”قطعی۔۔۔!“

”لیکن آخر کیوں۔۔۔؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔“

”وہ دراصل اپنا جُرم کسی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتّفاق سے تم ہی زد میں آ گئیں۔“

”تو کیا لیڈی سیتا رام ہی رام سنگھ کی قاتل ہیں۔“

”حالات تو یہی کہتے ہیں۔“

”اب مجھے یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی اُمّید نہیں۔“

”ایسا مت سوچو۔۔۔ فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری موجودگی میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔“

”آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔۔۔!“ شہناز نے کہا۔

”بس اتنی سی بات۔۔۔ نہیں میں بہت بُرا آدمی ہوں۔“

”ہوں گے لیکن میرے لیے نہیں۔“

”تو کیا واقعی تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔“

”آخر کیوں نہ کروں۔“

”ایک بات پوچھوں۔۔۔ یہ کہ تم نے لیڈی سیتارام کے یہاں کا ٹیوشن کیوں چھوڑ دیا تھا۔“

”مجھے ناپسند تھا۔“

”وہاں کئی بہت ہی آوارہ اور اوباش قسم کے لوگ آنے لگے تھے۔ اکثر وہ مجھے بھی اپنی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔“

حمید کُچھ اور پوچھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ شہناز نے اُسے روک دیا۔

”آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے۔۔۔ سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے۔۔۔ کہیں پھر چکر نہ آ جائے۔“

”اتنے دِنوں کے بعد تم ملی ہو۔۔۔ دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔“

”نہیں بس آنکھ بند کیجئے۔۔۔ میں سر سہلاتی ہوں۔“

حمید نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ حمید کو اپنے دِل میں ایک عجیب قسم کی غم آلود نرماہٹ پھیلتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مرد ایک عورت سے متمنّی ہوتا ہے حمید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حمید کو شہناز کے اس رویے میں ایک ایسی لگاوٹ محسوس ہوئی جسے مامتا کے بعد درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔

”ارے۔۔۔ ارے آنسو کیوں؟“

”کچھ نہیں۔۔۔!“ حمید نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ کو میری قسم بتائے کیا بات ہے۔“

”مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“ حمید نے کہا۔

”فی الحال آپ اپنی حالت دیکھئے۔۔۔ میری بعد میں دیکھئے گا۔“

”یہ آفت تم نے خود اپنے سر مول لی ہے۔“حمید نے کہا۔

”وہ کیسے۔۔۔؟“

”نہ تم اتنی سوشل ہوتیں اور نہ یہ دِن دیکھنا نصیب ہوتا۔“

”اپنی اس حماقت پر تو عرصہ سے رو رہی ہوں۔“شہناز نے کہا۔”اگر کبھی آسمان دیکھنا نصیب ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں گی۔“

”جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔اب یہ بات میری سمجھ میں بھی آگئی ہے۔“

”خیر چھوڑو اِن باتوں کو۔۔۔اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔“

حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو لیٹے رہیے نا۔۔۔!“

”"ہیں یہ لیٹنے کا وقت نہیں۔ اب کسی لمحے بھی ہم موت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔“

”وہ کیسے۔۔۔!“

”کرنل پرکاش محض یہ معلوم کرنے کے لیے یہاں لایا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے اس کا راز معلوم کر لیا ہے۔۔۔ لہٰذا وہ مجھے کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”خدانخواستہ۔۔۔ ایسی بات منہ سے نہ نکالیے۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں شہناز۔۔۔ یہاں سے بچ کر نکلنے کے لیے جلدی ہی کُچھ نہ کُچھ کرنا چاہیے۔“

حمید اُٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے دیوار کا ایک ایک حصّہ ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پسینے پسینے ہو گیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

”معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت سچ مچ قریب آ گیا ہے۔“ حمید نے بے بسی سے کہا۔

شہناز کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں وہ نڈھال ہو کر چٹائی پر لیٹ گئی۔

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ یونہی چکّر سا آ گیا ہے۔“

”گھبراؤ نہیں۔۔۔ ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہو گی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔ بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“ حمید نے کہا۔

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً اس کا خیال دیوار کے اس حصّے کی طرف گیا جہاں دراڑ پیدا ہوئی تھی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب ہی فرش کی ایک اینٹ اُکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے برابر ہو گئی تھی۔ حمید نے پہلے تو اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہیں اِس تہہ خانے میں اِتنا گرد و غبار کہاں سے آیا کہ خالی اینٹ

کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر اینٹ نکل جانے کے بعد اس میں مٹّی اس لیے بھری گئی ہے کہ فرش برابر ہو جائے تو یہ بات بالکل بے تکی سی لگتی ہے کیونکہ جہاں اس جگہ دوسری اینٹ جڑی جا سکتی تھی مٹّی سے اِسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ میز پر ایک چمچہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹّی کھودنے لگا۔ کافی مٹّی نکل جانے کے بعد اچانک چمچہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹّی نکالنی شروع کی۔ یہ سخت چیز لوہے کا ایک لٹّو تھا۔ اس نے اُسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسرے طرف گھمانا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد ہی لٹّو گھومنے لگا اور جہاں پر دراڑ پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصّہ آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھ رہا تھا۔

"شہناز یہ دیکھو۔۔۔!" حمید خوشی میں چیخا۔

شہناز اور حمید کھڑے متحیّر ہو کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قدِّ

آدم دروازہ نمودار ہو گیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اُوپر جانے کے لیے زینے تھے۔

دوسرا بھیانک ناچ

ابھی دونوں کی حیرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام نے زینے طے کرتے ہوئے نیچے کی طرف آرہے تھے۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لڑھکا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کرنل پرکاش نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

”بڑے چالاک ہو برخوردار۔۔۔“ اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ ”پیچھے ہٹو۔“

شہناز اور حمید سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

"لو ریکھا اچھے وقت پر پہنچ گئے ورنہ یہ ابھی چوٹ ہی دے گیا تھا۔" کرنل پرکاش نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ۔۔۔ تم ہمیشہ ٹھیک وقت پر کام کی باتیں سوچتے ہو۔" لیڈی سیتارام اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ وہاں کونے میں جا کر بیٹھو۔" کرنل پرکاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

"اگر ذرّہ برابر بھی شرارت کی تو یاد رکھنا یہ پستول بڑا خونی ہے۔"

حمید اور شہناز کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

"جانتی ہو ریکھا ڈارلنگ یہ کون ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"نہیں۔۔۔"

"سرکاری سُراغ رساں سارجنٹ حمید۔۔۔"

”ارے۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔ یہ مجھے صُبح کو معلوم ہوا۔ کہو بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا حشر کیا جائے۔“

”کرنل پرکاش۔۔۔ کان کھول کر سُن لو۔۔۔ اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میرا استاد تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جاکر کیوں نہ جا چھپو۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا ریکھا۔۔۔ ابھی میں ان دونوں کا خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ چلنے کی کیا رہی۔ اگر تم تیّار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لیے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیادہ ان ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔“

”مگر یہ ابھی کیسے ممکن ہے۔“لیڈی سیتارام نے کہا۔

”جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔۔۔ سریندر کو مجھ سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“لیڈی سیتارام چونک کر بولی۔

”ارے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو میں نے سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو۔۔۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز تعلقات ہیں۔ رام سنگھ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے دِن تم لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھمکا کر تم سے روپیہ اینٹھتا تھا آخر ایک دِن تنگ آکر تم نے اُسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کرنل پرکاش سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔“
لیڈی سیتارام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

”لیکن میری ریکھا۔۔۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری پچھلی زندگی سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبّت اندھی ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا بُرائی کچھ نہیں دیکھتی۔“

”کرنل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی بُرائیوں کے باوجود بھی مجھ میں سچّی

محبّت کا جذبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لیے وقف کر چکی ہوں۔ میں کیا بتاؤں کہ کن مجبوریوں کے تحت سریندر۔۔۔!"

"سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا، جس کا رُخ کرنل پرکاش کی طرف تھا۔

"تم دونوں یہ آرزو ہی لیے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گئے۔" وہ گرج کر بولا۔

کرنل پرکاش نے اُٹھنا چاہا۔۔۔ سریندر نے بیٹھ کر لٹّو گھما دیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"خبردار۔۔۔ اپنی جگہ سے ہلنا مت۔۔۔!" سریندر نے چیخ کر کہا۔

کرنل پرکاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"پیچھے ہٹو۔۔۔ پیچھے ہٹو۔۔۔ نہیں تو گولی چلا دوں گا۔" سریندر چیخا۔

”چلا بھی دو میری جان۔“ کرنل پرکاش رُک کر بولا۔ ”مُجھے تم سے بھی اتنی ہے محبّت ہے جتنی کہ ریکھا سے ہے۔“

”چپ رہو۔۔۔ سؤر کے بچے۔“ سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ مگر دھماکے کی آواز نہیں سُنائی دی۔

کرنل پرکاش نے پھر قہقہہ لگایا۔ سریندر گھبرا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

”واہ برخوردار۔۔۔ اسی کے بل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو بیٹا۔۔۔ میں ماتھے کی لکیروں میں دِل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اُوپر مُجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلوگے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ بنانا چاہتے تھے۔ خیر اب بھی یہاں تین ہی لاشیں ہوں گی۔“

کرنل پرکاش نے بڑھ کر سریندر کی گردن پکڑ لی۔ سریندر بچّوں کی طرح چیخ رہا

تھا۔ کرنل نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا۔

"دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوتہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال لے جانے میں مدد دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" سریندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یوں نہیں۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کور مجھ سے دبتی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کر سکو۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔۔۔؟"

"تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام سنگھ کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دستخط ہوں گے۔ تم گھبراؤ نہیں۔۔۔ میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لیے کر رہا ہوں۔"

سریندر کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ کبھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف

دیکھتا اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں مسودہ تیّار کیے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دستخط کر دو۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"میں کیوں دستخط کروں۔" ریکھا نے کہا۔

"ریکھا ڈارلنگ۔۔۔ تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دستخط سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دستخط کرو گی۔ تبھی ہم دونوں چین سے رہ سکیں گے، ورنہ یہ حضرت۔"

کرنل پرکاش نے جلدی جلدی مسودہ تیّار کیا اور دستخط کے لیے سریندر کی طرف بڑھا دیا۔ سریندر نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے دستخط کر دیے۔ لیڈی سیتارام نے بھی اس کی تقلید کی، کرنل پرکاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"اب تم دونوں مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔" اس نے حمید اور شہناز کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر اچانک کرنل پرکاش نے جنگلیوں کی طرح اُچھل اُچھل کر ناچنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جارہا تھا۔ لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔

وہ وحشیوں سے بدتر ہوتا جارہا تھا۔

"پرکاش ڈارلنگ۔۔۔ پرکاش ڈارلنگ۔۔۔!" لیڈی سیتارام چیخی۔

کرنل پرکاش اسی طرح ناچتا ہوا بولا۔ "بولو مت۔۔۔ بولو مت۔۔۔ بولو مت۔۔۔ چیں خیں چیں گیر ولا۔ میں خوشی کا ناچ ناچ رہا ہوں۔ افریقہ کے جنگلیوں کا ناچ۔۔۔ گیر ولا چی پینی ٹمٹائیں گیر ولا۔"

ناچتے ناچتے اس کا چشمہ اُچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ مونچھ اور ڈاڑھی اُکھڑ کر فرش پر آرہی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب۔"

فریدی کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لیڈی سیتارام چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ سریندر بیٹھا اِس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے کر بخار آگیا ہو۔

فریدی نے جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر حمید کو دیں۔ حمید نے جلدی جلدی دونوں کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

خوشگوار لمحے

فریدی اور حمید اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ابھی تک جگ دیش نہیں آیا۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اُسی کو بنائیں گے۔" حمید بولا۔

"میں اُس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتارام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہوتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز کے لیے مول لی تھی۔"

"تو کیا آپ واقعی شہناز۔۔۔!" حمید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اُتر گیا تھا۔

"تم اچھے خاصے اُلّو ہو۔ شہناز کی تلاش مُجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی بدگمان کیوں ہو جاتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔۔۔ میں سمجھا شائد۔"

"جی نہیں۔۔۔ آپ براہ کرم مُجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عورت۔۔۔ لاحول ولا قوۃ۔"

"اچھا صاحب۔۔۔ لاحول ولا قوۃ۔۔۔!" حمید ہنس کر بولا۔ "آؤ شہناز آؤ۔۔۔" فریدی دروازے کی طرف مُڑتے ہوئے بولا۔

شہناز مُسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"بولو! حمید اب کیا کہتے ہو۔۔۔ کہہ دوں شہناز سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔

”کیا بات ہے۔“ شہناز بیٹھتی ہوئی بولی۔

”کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”خیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔“ فریدی نے کہا۔

”کوئی نئی بات نہیں۔۔۔ نئی باتیں تو میں آپ سے سُننے آئی ہوں۔“

”ہاں اب سارے حالات بتا جائیے، مجھے بھی بہت بے چینی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر پھاڑ دیا تھا۔“

”اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کر دیتے تو میں خود ہی بے ہوش ہو جاتا۔“

”ضرور ضرور۔۔۔ آپ سے یہی اُمّید ہوتی تو اتنی قلابازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔“

"اچھا یہ بتایئے کہ وہ کاغذ کیسا تھا، جو آپ نے سریندر کو دیا تھا اور ہار چرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اتنا ہی سمجھنے لگو تو پھر سارجنٹ کیوں۔۔۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اچھا شروع سے سُناتا ہوں۔ جگ دیش سے لیڈی سیتا رام کے متعلّق معلوم کر لینے کے بعد بھی میرا ارادہ خواہ مخواہ اِس جھگڑے میں پڑنے کا نہیں تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ شہناز غائب کر دی گئی ہے تو میں نے اُسی وقت پلاٹ تیّار کر لیا جب ہم لوگ ان کی تلاش میں سڑکیں ناپتے پھر رہے تھے۔ چھٹّی میں نے سچ مچ اِس لیے لینی چاہی تھی کہ کتّوں کی نمائش میں حصّہ لوں۔ لہٰذا شہناز کے غائب ہو جانے کے بعد بھی میں اِسی پر اڑا رہا کہ جاؤں گا۔ تم مجھے اسٹیشن چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے ٹرین پر سوار کرا کر تم واپس لوٹ گئے تھے۔ میں اگلے اسٹیشن پر اتر گیا۔ وہاں سے بھیس بدل کر شہر واپس آیا۔ مجھے سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرنی تھی اس لیے میں نے کرنل پرکاش کا بھیس بدلا کیونکہ وہ بھی کتّوں کا ایک مشہور شوقین تھا اور اپنے افریقی نسل کے یلو ڈنگو کی وجہ سے مُجھے اور بھی آسانی ہو گئی۔

میں نے آر لکچنو کا وہی کمرہ کرایہ پر لیا جس میں رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دِن اچانک جب کمرے کی صفائی ہو رہی تھی مجھے قالین کے نیچے ایک خط مل گیا۔ یہ خط لیڈی سیتا رام نے سریندر کو لکھا تھا۔ فوراً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید رام سنگھ دونوں کو اِسی خط سے بلیک میل کر رہا تھا اور ان لوگوں نے تنگ آ کر اُسے قتل کر دیا۔ اب میں نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو میں تمہیں نمائش گاہ سے خط بھجوانے کا انتظام کیا تاکہ تمہیں بالکل یقین ہو جائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں مَیں نے یہیں آر لکچنو میں لیڈی سیتا رام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے وہ بہت جلد قابو میں آ گئی۔ پھر میں سیتا رام سے پارک میں ملا اور جب واپس لوٹ رہا تھا تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے اب میں دیدہ دانستہ تمہیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کر بیٹھتا جس سے تمہارا شُبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے۔ اس دِن بالکنی میں بھی تم نے ہم دونوں کی باتیں سُنی تھیں اور اس کے بعد سریندر اور ریکھا کی باتیں بھی سُنی تھیں۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ سر سیتا رام کی کوٹھی میں

کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحبہ اس میں بند ہیں اور یہ تو میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سرسیتارام ان واقعات سے بالکل لا علم ہے لہٰذا میں نے اُس پوشیدہ مقام کا پتہ لگانے کے لیے ہارچُرانے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی طرح میرے پیچھے رہتے ہو۔ لہٰذا تم آج بھی ہماری گفتگو سُننے کی کوشش کروگے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے عِلم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے ساختگی ہر گز نہ پیدا ہو سکتی۔"

"وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے چکّر آنے لگے ہیں۔۔۔ اس کا کیا علاج ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"اوہ اس کا علاج تو۔۔۔!" فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ہاں بھئی۔۔۔ اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کالج کی ملازمت جاری رکھو گی۔" فریدی نے شہناز سے کہا۔

”اب جیسی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے۔“

”میرے خیال سے اب ملازمت ترک کر دو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری کافی بدنامی ہو چکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مُشکل ہی سے مٹتے ہیں۔“

”تو پھر بتایئے میں کیا کروں۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہو۔ میری مانو تو۔۔۔ کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔“

حمید شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا اور شہناز جو سچ مچ شرما رہی تھی، ضبط کرنے کے باوجود بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

اتنے میں انسپکٹر جگ دیش آ گیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”آؤ بھئی جگ دیش صاحب، خوب وقت پر آئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”حمید ذرا

چائے کے لیے کہہ دو۔"

"میں آپ کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انسپکٹر صاحب۔۔۔ کہ آپ نے میرا کیریئر بنا دیا۔"

"شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم میری مدد نہ کرتے تو بے چاری شہناز نہ جانے کہاں ہوتیں۔"

"میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کر کے میرے لیے ترقّی کی راہ نکالی۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اِس طرح غائب ہوتیں اور نہ میں اس کیس میں ہاتھ ڈالتا۔"

"اچھا صاحب۔۔۔ شہناز بہن کا بھی شکریہ۔" جگ دیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اچھا جگ دیش۔۔۔ لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا ہی رہے

گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگ دیش نے حیرت سے کہا۔ فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جگ دیش کا مُنہ حیرت سے کھُلا ہوا تھا۔

"لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔۔۔ کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔" مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

"آپ کے احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔" جگ دیش نے کہا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔"

"منہ لٹکا رہتا ہے۔۔۔ بات بات پر مُجھ سے اُلجھ پڑتا ہے۔"

"خیر وہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔!" حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چُرا کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے اور عجیب قسم کی شرمیلی مُسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی۔

ختم شد